Registered No. L. 4186

جلد ۳۰

عدد ۱

محرم ۱۳۶۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

دار الاسلام جمال پور - پٹھانکوٹ

قیمت سالانہ پانچ روپے

قیمت فی پرچہ

تفہیمات

بعض معرکۃ الآرا مسائلِ اسلامی کی تشریح و توضیح

یہ کتاب مؤلف کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جن میں اسلام کے اُن مہمات مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جنکے متعلق آجکل عموماً لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً توحید، ہدایت و ضلالت، عبادت، جہاد، آزادی، رواداری، قومیت اسلامی، عقیدۂ توحید کے ساتھ ایمان بالرسالت کا ضروری ہونا، رسُول کی صحیح حیثیت، رسالت محمدی کا ثبوت عقلی، شریعت اسلامی میں حدیث کی اہمیت، قرآن اور حدیث کا باہمی تعلق، منکرین حدیث کے شبہات کا ازالہ وغیرہ۔ حصّہ دوم زیر طبع ہے اور وہ بھی ایسے ہی اہم مسائل پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلد دو روپے، علاوہ محصولڈاک

تنقیحات

تنقیحات یہ مولف کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جنمیں اسلام اور مغربی تہذیب کے تصادم اور اس سے پیدا شدہ مسائل پر تنقیدی اور تعمیری دونوں حیثیتوں سے بحث کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی پر جن جن پہلوؤں سے مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی تعلیم نے اثر ڈالا ہے۔ قریب قریب ان سب پر ان مضامین میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ان الجھنوں کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو مغرب سے مرعوب اور اسلام سے ناواقف ہونے کی بدولت عموماً مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہوگئی ہیں۔

ضخامت ۲۴۰ صفحات۔ قیمت غیر مجلد دو روپے آٹھ آنے علاوہ محصولڈاک

فہرست مضامین

جلد ۳۰ | محرم ۱۳۶۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۴۶ء | شمارہ ۱

سید ابو الاعلیٰ مودودی پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس چیمبرلین روڈ۔ لاہور میں چھپوا کر دار الاسلام پٹھانکوٹ (پنجاب) سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

رمضان کے ترجمان میں ہم نے اس ملک کے فسادات پر تبصرہ کرتے ہوئے اس فرض کی طرف توجہ دلائی تھی جو ان حالات کی اصلاح کے لیے جماعت اسلامی پر عائد ہوتا ہے۔ پھر ذیقعدہ کے پرچہ میں اسی امر سے متعلق بعض ضروری ہدایات شائع کیں، جو ہماری مجلس شوریٰ کی موجودگی میں، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے احکام کو سامنے رکھ کر، طے کی گئی تھیں۔ جہاں تک ان حالات کے اندر ہمارے مسلک اور طریق کار کا تعلق ہے، ان تحریروں کے بعد کسی مزید توضیح کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن بنگال، بہار اور گڑھ مکتیسر وغیرہ میں جو صورت حال پیش آئی ہے اس نے ذہنوں کو اس درجہ منتشر کر دیا ہے کہ ہمارے ارکان برابر اصرار کے ساتھ تقاضا کر رہے ہیں کہ اس نئی صورت حال کو سامنے رکھ کر، پوری تفصیل کے ساتھ، ان کو ہدایات دی جائیں۔ ایسے پُرآشوب حالات کے لیے کوئی ایسا ہدایت نامہ مرتب کرنا تو ہمارے بس میں نہیں ہے جو ہر موقع اور ہر حالت کی جزئیات پر حاوی ہو البتہ بعض ضروری اور اصولی باتوں کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ توقع ہے کہ اگر ہمارے ارکان نے ان کو پوری طرح ملحوظ رکھا تو ان شاء اللہ اس فتنہ کے زمانہ میں وہ اخلاق و انسانیت کی سچی خدمت کر سکیں گے

۱۔ سب سے پہلی چیز جو ہمارے ارکان کو پیش نظر رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ یہ فسادات نہ تو کسی عارضی ہیجان جذبات اور وقتی تصادم اغراض کا نتیجہ ہیں نہ غنڈوں اور بدمعاشوں کے برپا کیے ہوئے ہیں۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں ان کو نہ تو اس بیماری کی جڑ ہی کا پتہ ہے اور نہ وہ اس کے صحیح علاج ہی سے واقف ہیں اس وجہ سے ان کی روک تھام کے لیے جو تدبیریں وہ کر رہے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اُوپری ہیں بلکہ بالکل الٹی اور فساد کو پرورش

کرنے والی بھی ہیں۔ اور اگر لوگ انہی تدبیروں پر قانع ہو گئے تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہو گا کہ فساد کی جڑیں ہمارے ملک میں اور زیادہ مضبوط ہو جائیں گی اور آج جو قیامت صرف بنگال اور بہار میں برپا ہوئی ہے کل وہ اس ملک کے پورے طول و عرض میں برپا ہو گی ——— جو ہنگامۂ قتل و خون چند محلوں اور چند بستیوں تک محدود نہ رہا ہو بلکہ صدہا مربع میل کے رقبوں پر اس کا سیلاب خونیں گزر گیا ہو، جس وحشت و بربریت کا ارتکاب چند افراد یا چند ٹولیوں نے نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں کے دل بادل منظم جتھوں نے کیا ہو، جس خونریزی و سفاکی کے لیے قوم کی قوم نے دوسری قوم کے خلاف صف آرائی کی ہو اور اس کو من حیث القوم مٹا دینے کی کوشش کی ہو، جو قیامت صرف جان و مال ہی پر نہیں بلکہ عزت و ناموس، دین و مذہب اور اخلاق و انسانیت ہر چیز پر چھا گئی ہو ——— اس کو غنڈوں اور بدمعاشوں کا برپا کیا ہوا فساد سمجھنا اور اسی نقطۂ نظر سے اس کی روک تھام کی الٹی سیدھی تدبیریں اختیار کرنا ہمارے نزدیک یہ ان تمام فسادوں سے بھی بڑا فساد ہے، اور ہم اپنے ارکان کو متنبہ کرتے ہیں کہ نہ وہ اس طرح کی کسی غلط فہمی میں خود مبتلا ہوں اور نہ اپنے امکان بھر دوسروں کو اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہونے دیں۔

ہمارے نزدیک جیسا کہ ہم بارہا لکھ چکے ہیں اس فساد کے بیج وقت کی تہذیب، وقت کی تعلیم، وقت کے افکار و نظریات اور وقت کی سیاست کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان کی تخم ریزی اور آبیاری اس ملک کے لیڈر کر رہے ہیں نہ کہ غنڈے۔ انہی لیڈروں کی کوششوں سے یہ بس بھری فصل نشو و نما پا کر کہیں کٹنی شروع ہو گئی ہے، کہیں کٹنے کے لیے بالکل تیار کھڑی ہے۔ یہ انہی کا فیض ہے کہ جو بیماریاں کل تک تھوڑے سے غنڈوں تک محدود تھیں اب قوم کی قوم میں سرایت کر گئی ہیں اور اگر ان کی کوششیں پوری طرح بار آور ہو گئیں تو کل اس ملک پر اس سے بھی زیادہ برے دن آنے والے ہیں۔ آج تو غنیمت ہے کہ آپ کو بنگال اور بہار کے اندر تلاش سے اکا دکا کوئی ایسا بھلا آدمی بھی مل جاتا ہے جس نے اس ہنگامۂ عام میں اپنے آپ کو قومی تعصبات سے بالاتر رکھ کر مظلوم فریق کی حمایت کرنے کی کوشش کی ہے اور آپ اخباروں میں اس کا ذکر چھاپ کر تسلی حاصل کر لیتے ہیں، کل کو وہ دن آنے والا ہے کہ یہ پورا کا پورا ملک سدوم اور عمورہ کی بستیوں کی طرح نیکی اور راستبازی کے لیے بنجر بن جائے گا اور جو لوگ قومی و نسلی تعصبات سے بالاتر رہ کر صرف انصاف اور حق کا ساتھ دینا چاہیں گے وہ یا ملک

کی طرف سے اپنی اس نیکی اور حق پرستی پر تحسین کے بجائے قومی غداری کے مجرم قرار پائیں گے اور بر سر موقع سنگسار کر دیئے جائیں گے۔ یہ محض مستقبل بعید کے لیے پیشینگوئی نہیں ہے بلکہ ان تازہ حوادث کی رپورٹوں میں بھی اس کی شہادت موجود ہے۔

پس ہمارے ارکان کا فرض ہے کہ وہ اس امر واقعی کو پورے یقین کے ساتھ اپنے سامنے رکھیں کہ اس تمام فساد فی الارض کا سرچشمہ موجودہ تہذیب و تعلیم اور موجودہ سیاست ہے اور اصلی مفسدین فی الارض اس ملک کے لیڈر ہیں جو اس تہذیب و تعلیم اور اس سیاست کے سربراہ کار ہیں۔ ان لیڈروں نے الگ الگ اپنے جتھے بنا رکھے ہیں اور ہر لیڈر اپنے جتھے کو قومیت کی شراب پلا پلا کر بدمست بنا رہا ہے۔ ایسی مختلف قوموں کے درمیان نفرت و عداوت ایک فطری چیز ہے اگر ان کے درمیان جنگ و جدال برپا ہو تو اس پر بھی تعجب نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کو ان کی قومی فطرت کا لازمی نتیجہ خیال کرنا چاہیے۔ تعجب کی چیز اگر ہو سکتی ہے تو یہ کہ ان کے درمیان صلح و دوستی کا رابطہ پایا جائے کیونکہ یہ چیز ان کے قومی مزاج کے خلاف ہے اور اگر پائی جا سکتی ہے تو کسی عارضی مصلحت ہی سے پائی جا سکتی ہے نہ کہ کسی فطری لگاؤ سے۔ جس طرح دو کتوں کے درمیان اگر ہڈی موجود ہو تو ان کی فطرت کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جھنجوڑیں اور بھنبھوڑیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ یا تو دونوں بیمار ہیں یا دونوں ایک دوسرے سے ڈر رہے ہیں۔ اسی طرح اگر دو قوموں میں امن کی حالت قائم رہے تو اس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ یا تو وہ دونوں بیمار ہیں یا دونوں کی مصلحت وقت متقاضی ہے کہ بروقت وہ آپس میں نہ لڑیں۔ اس وجہ سے اگر اس ملک میں ایک سے زیادہ قومیں موجود ہیں تو ان کا باہمی تصادم ناگزیر ہے اور جس رفتار سے ان لیڈروں کی کوشش سے ان کا قومی شعور بیدار ہوتا جائے گا اسی رفتار سے ان کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں بھی ترقی کرتی جائیں گی اور ہر قوم دوسری قوم کی ترقی کو اپنی پستی اور اس کے نقصان کو اپنا فائدہ سمجھے گی یہاں تک کہ ایک دن اس ملک کی مختلف قوموں میں اسی طرح کی ٹکر ہوگی جس طرح کی ٹکر یورپ کی مختلف قوموں میں ابھی کل ہو چکی ہے اور آج بھی اس کا پورا سامان موجود ہے۔ اور اگر یہاں کی مختلف

قوموں کو ہضم کر کے وطنیت کی بنیاد پر کوئی ایک قوم بن گئی (جس کا بہار کے واقعات کے بعد متحدہ قومیت کے دعویداروں کو نام لینے کا بھی حق باقی نہیں رہا) تو اس سے بھی دنیا کے امن و عدل کے قیام میں کوئی مدد نہیں ملے گی بلکہ جس طرح آج دنیا میں امریکہ، روس، برطانیہ وغیرہ کی متعدد مفسد طاقتیں موجود ہیں اسی طرح دنیا کی مفسد طاقتوں میں ایک اور مفسد طاقت کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس وجہ سے غور کرنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ اس وقت اس ملک میں جو حالت پیدا ہو گئی ہے اس کی اصلاح کیونکر ہو بلکہ سوچنے کی چیز اگر ہے تو یہ ہے کہ جس نہج پر اس ملک کا ذہنی اور فکری ارتقاء ہو رہا ہے اور جس اساس پر اس ملک کی اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اگر خدانخواستہ وہ بار آور ہو گئیں تو اس سے نہ صرف اس ملک پر بلکہ ساری دنیا پر جو تباہی نازل ہو گی اس کے سد باب کی شکل کیا ہے؟

آپ جب مسئلہ پر اس نقطۂ نظر سے غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اصلاح حال کی جو تدبیریں اس وقت سوچی اور عمل میں لائی جا رہی ہیں یہ سب سرسری اور سطحی ہیں۔ ان وحشیانہ حرکتوں کا سد باب نہ غنڈوں کی پکڑ دھکڑ سے ہو سکتا نہ پریس کو قدغن کرنے سے ہو سکتا، نہ امن و صلح کی کمیٹیوں سے ہو سکتا اور نہ اس طرح کی کسی اور تدبیر سے ہو سکتا۔ ان ساری تدبیروں اور کوششوں میں فساد کا اصلی عامل گرفت سے بالکل آزاد ہے اور سارا زور دوسرے ضمنی عوامل پر صرف ہو رہا ہے۔ اگر لوگ فی الواقع ان حالات کی اصلاح چاہتے ہیں تو اس کی تدبیر ایک اور صرف ایک ہی ہے وہ یہ کہ تمام نسلی و قومی تعصبات کو ختم کر کے انسانی معاشرہ کی بنیاد تمام نسل آدم کی وحدت و اخوت پر رکھی جائے، ہر قوم کی آزادی اور خود مختاری کے دعوے کو مٹا کر لوگوں کو خدائے برحق کی حاکمیت اور اسی کی اطاعت کی دعوت دی جائے، انسانی قانون کی تنگ نظریوں اور ناانصافیوں کی جگہ خدا کے عالمگیر عادلانہ نظام کو برپا کرنے کی سعی کی جائے، لوگوں کے اندر سے غیر مسئولیت اور مطلق العنانی کا تصور نکال کر ان کے اندر خدا کے آگے اپنے تمام اعمال و اقوال کی جوابدہی کا عقیدہ راسخ کیا جائے۔ یہ چیز جب وقت کی تعلیم، وقت کی تہذیب، وقت کے افکار و نظریات اور وقت کی سیاست میں وہ جگہ پا لے گی جو اسے ملنی چاہیے تو آپ دیکھیں گے کہ اس دنیا کی بگڑی ہوئی ہر کل خود بخود ٹھیک ہو رہی ہے۔

اور فساد کی تمام راہیں آپ سے آپ بند ہو رہی ہیں۔ یہی کام دنیا میں کسی زمانہ میں مسلمانوں نے کیا تھا، اور اسی مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو برپا کیا تھا لیکن اب مسلمان بھی نسل و نسب کی بنی ہوئی ایک قوم ہو کے رہ گئے ہیں اور اسی طرح کے مطالبات کے لیے لڑنے اور مرنے پر آمادہ ہیں جس طرح کے مطالبات کے لیے نسل و خون سے بنی ہوئی قومیں لڑا مرا کرتی ہیں اور زمین پر کوئی جماعت آج ایسی باقی نہیں رہ گئی ہے جو اس خلا کو بھرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ہم اس کمی کو پورا کریں اور دنیا کے سامنے اپنے قول و عمل سے وہ تعلیم پھر پیش کریں جس نے درندوں کی طرح لڑنے والوں کو آپس میں حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک دوسرے کا دوست اور خیر خواہ بنا دیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج یہ خیال بہت ہی بعید از فہم معلوم ہوتا ہے اور بظاہر وقت کے حالات اس کے لیے نہایت ناسازگار نظر آتے ہیں لیکن اگر ہم اپنی دعوت پر پوری سچائی اور بے لوثی اور پورے عزم و استقلال کے ساتھ جمے رہے تو یہ حالات کی خرابی ہی اور اس کی نہ سلجھنے والی پیچیدگی ہی اس بات کا ثبوت بہم پہنچائے گی کہ ہندوستان اور ساری دنیا کی مشکلات کا واحد حل وہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔

۲۔ دوسری چیز جو ہمارے ارکان کو پیش نظر رکھنی ہے وہ یہ ہے کہ حالات قومی تعصب کو کتنے ہی بھڑکانے والے ہوں لیکن ہمیں بہر حال قومی تعصبات سے بالاتر رہ کر حق کی دعوت دینی ہے اور اسی پر عمل کرنا ہے۔ ہم جن اصولوں کو لے کر اٹھے ہیں ان کو کسی قوم کی نفرت و عداوت کی وجہ سے بدل نہیں سکتے۔ یہ اصول ہمارے اپنے جی کے گھڑے ہوئے نہیں ہیں کہ ہم جب چاہیں ان میں رد و بدل کر دیں بلکہ یہ خدا کے اتارے ہوئے ہیں اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ نیکی اور انصاف کے جو اصول ہمیں بتائے گئے ہیں ان پر ہر حال میں قائم رہیں یہاں تک کہ کسی قوم کی دشمنی اور زیادتی بھی ہم کو ان سے انحراف پر آمادہ نہ کرے۔ جن لوگوں کے پاس اپنے گھر کے اصول ہیں وہ جب چاہیں ان میں تغیر و تبدل کر سکتے ہیں لیکن ہم جان تو دے سکتے ہیں لیکن ان اصولوں کو چھوڑ کر اپنے ایمان کو غارت نہیں کر سکتے۔ جو لوگ متحدہ قومیت کا پرچار کر رہے تھے اور اسی میں ہندوستان کی نجات سمجھتے تھے، نوا کھالی کے واقعات کے بعد اس قدر بوکھلا

گئے کہ انھوں نے بہار میں نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ اپنے اس محبوب اصول کو بھی ذبح کر ڈالا۔ عدم تشدد وعدم تشدد کی پکار سے جن لوگوں کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور جن کا دعویٰ تھا کہ دنیا کی نجات ہے تو اسی عقیدہ میں ہے اب وہ قومی تعصب کے جنون میں برملا تشدد کا وعظ کہنے لگے ہیں۔ لیکن ہمارے لیے یہ بات جائز نہیں ہوگی کہ ہم اس طرح جذبات سے مغلوب ہو کر حق اور عدل کی راہ سے ہٹ جائیں۔ بہار اور گڑھ مکتیسر میں جو کچھ ہوا ہے وہ کتنا ہی شرمناک اور وحشیانہ ہو لیکن اسلام نے ہم کو یہی تعلیم دی ہے کہ ہم زید کی غلطی کا بدلہ بکر سے نہیں لے سکتے۔ اگر خدانخواستہ کسی جگہ اس طرح کے حالات پیش آجائیں جیسے کہ نواکھالی میں پیش آئے ہیں اور وہاں ہمارا ایک رکن بھی موجود ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ پوری قوت سے مسلمانوں کو اس طرح کی زیادتی سے روکے اور مظلوم فریق کی مدد کرے اور اس راہ میں اس کی جان بھی چلی جائے تو اس کی پروا نہ کرے۔ زیادتی کرنے والے مسلمان کو زیادتی کرنے سے روکنا نہ صرف اس فریق کی مدد ہے جس پر زیادتی ہو رہی ہے بلکہ زیادتی کرنے والے مسلمان کی بھی مدد ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر کسی مقام پر بہار اور گڑھ مکتیسر کے سے حوادث پیش آئیں تو ہمارے ارکان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی حمایت کریں اور ہندوؤں کو اس تعدی سے روکیں اور اس راہ میں مر جانے کو سعادت اور شہادت تصور کریں۔ یہ اس لیے نہیں کہ اپنی قوم کی حمایت و مدافعت فرض ہے بلکہ اس لیے کہ حق کی حمایت و نصرت ایک ایسا فرض ہے کہ جس کو ادا کیے بغیر کوئی شخص حق کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہمارے ارکان ان پر اس شریعت کے احکام واضح کریں جس پر وہ ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کو بتائیں کہ ایک جگہ کے شریروں کی شرارت کا بدلہ دوسری جگہ کے بے گناہ لوگوں سے لینا شرع اسلام میں اصولاً ممنوع ہے۔ اسی طرح ان پر یہ بھی واضح کریں کہ ہر ہنگامہ جہاد کے معزز اور محترم نام کا مستحق نہیں ہے۔ جہاد کے نہایت اہم شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط بھی ان لوگوں نے پوری نہیں کی ہے جو آج جہاد کا نام لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی بتایا جائے کہ مسلمان کے لیے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا یا عورتوں کی بے حرمتی کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لوگوں کو یہ بھی بتایا جائے کہ عورتوں کو زبردستی مسلمان بنانا تو درکنار اسلام میں یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ اگر کوئی عورت اسلام کا اقرار کرتی ہوئی آئے تو اس کو مسلمان بغیر اس بات کی تحقیق کیے

ہوئے اپنے اندر شامل کر لیں کہ فی الواقع وہ اسلام ہی کے لیے مسلمانوں میں آئی ہے یا کسی اور وجہ سے آئی ہے۔ ان مسلمانوں سے یہ بھی درخواست کی جائے کہ للہ وہ اپنی ان نفسانی اور قومی معرکہ آرائیوں میں اسلام کو رسوا نہ کریں۔ اگرچہ اس بات کی توقع نہیں ہے کہ لوگ ان باتوں پہ کان دھریں گے لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم ان باتوں کو ہر مسلمان تک پہنچا دیں۔ یہ اسلام پر بڑا ظلم ہوگا کہ مسلمان ہر جگہ اس کو اس بدنما طریقہ سے پیش کریں اور کوئی جماعت ایسی نہ ہو جو اس کو اس کی اصلی صورت میں پیش کرے۔ ان باتوں کے اعلان کی وجہ سے اگر ہمارے ارکان مسلمانوں کے اندر مطعون ہوں تو انھیں اسلام کی خاطر اس بات کو بھی گوارا کرنا چاہیے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہی باتیں ہم اس ملک کے غیر مسلموں کے سامنے بھی پیش کریں لیکن اس وقت قومی تعصبات کا اتنا زور ہے کہ توقع نہیں کہ لوگ ہماری باتوں کو بدگمانی سے الگ ہو کر سنیں گے تاہم شہادت علی الناس کی ذمہ داری ہم سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ جس جگہ بھی ہم کو ایسے لوگ ملیں جو حق و انصاف کی بات سننا چاہیں ان کو یہ باتیں بتائی اور سنائی جائیں لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

۳۔ تیسری چیز یہ ہے کہ آپ جس جگہ بھی ہیں پوری بے خوفی اور اطمینان قلب کے ساتھ وہاں قدم جمائے رکھیے ایک سچے مسلمان کے لیے جو اپنا فرض ادا کر رہا ہے جس کا اللہ نے اس کو حکم دیا ہے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اپنے فرض اور حق کو ادا کرتے ہوئے مر جانا یا مارے جانا ایسی چیز ہے جس کی مسلمان کو تمنا کرنی چاہیے۔ ڈرتا تو صرف وہ شخص ہے جس کا یا تو خدا کے ساتھ تعلق نہیں ہے یا تعلق ہے تو کھوٹا تعلق ہے۔ آپ اس پہلو سے اپنا برابر جائزہ لیتے رہیے۔ خدا کے ساتھ آپ کا تعلق جتنا استوار ہوگا آپ اسی قدر اپنے اندر بے خوفی، عزم و ہمت اور قوت کا احساس کریں گے اور جس قدر خدا سے دوری ہوگی اسی قدر آپ پر خوف و ہراس اور ناتوانی کا غلبہ ہوگا۔ ان حالات نے آپ کی تربیت کے لیے بہترین موقع بہم پہنچا دیا ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہو رہا ہے۔ اگر ان خطرات کے اندر آپ ڈٹ رہنا سیکھ گئے اور اس کش مکش کے اندر آپ حق پر جمے رہے تو آج ممکن ہے آپ گمنام اور بے نشان ہوں لیکن کل سب آپ کو پہچان لیں گے اور وہ نشان راہ خود بخود نمایاں ہو جائے گا جس کی آپ دعوت دے رہے ہیں۔

اس وقت اس ملک کے بڑے حصہ پر خوف و دہشت کی جو حالت طاری ہے اس کو دور کرنے اور لوگوں میں بے خوفی اور اعتماد پیدا کرنے کے لیے مختلف قوموں کے لیڈر برابر وعظ کہہ رہے ہیں لیکن جس طرح ان کے سارے کام غلط ہیں اسی طرح ان کے یہ بے خوفی کے وعظ بھی غلط ہیں۔ یہ بے خوف اور نڈر رہنے کا تو لوگوں سے مطالبہ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ یہ بے خوفی اور خود اعتمادی حاصل کس طرح کی جائے؟ جن لوگوں کے جان و مال پر دن دھاڑے ڈاکے پڑے ہوں، جن کی بستیوں کو ان کے آگے جلایا گیا ہو جن کے عورتوں اور بچوں کو ان کے سامنے آگ میں پھینکا اور تلواروں سے ذبح کیا گیا ہو، جن کی ماؤں، بہنوں بیٹیوں کے ناموس کو ان کے دیکھتے غارت کیا گیا ہو، جن کی محافظت کے ذمہ داروں نے خود ان کے ساتھ غداریاں کی ہوں، جن کے راہ دکھانے والوں نے خود ان کو کنوؤں میں گرایا ہو، جن کی زندگیاں اس طرح اجیرن کر دی گئی ہوں کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں اور اپنے بیوی بچوں کو خود اپنے ہاتھوں قتل کرنے یا ان کو کنوؤں میں دفن کرنے پر مجبور ہوئے ہوں، جن کے لیے جینا اس قدر تلخ کر دیا گیا ہو کہ وہ موت کو زندگی سے زیادہ لذیذ سمجھنے لگے ہوں ——— ان لوگوں کو یہ نصیحت کرنا کہ بے خوف رہو اولاً تو خود بے معنی بات ہے ثانیاً اس بے خوفی کے حصول کا طریقہ نہ بتانا اس پر مزید ستم ظریفی ہے۔ یہ تلقین یا تو بالکل بے نتیجہ اور بے اثر رہے گی (اور اسی کا زیادہ امکان ہے) یا اگر اس سے بے خوفی پیدا ہوگی تو وہ بے خوفی پیدا ہوگی جو یا تو مایوسی کا نتیجہ ہوتی ہے یا ناعاقبت بینی اور تہور کا، اور یہ بجائے خود ایک بہت بڑی بیماری ہے جو اگر اس ملک کی مختلف قوموں کو ان کے لیڈروں کی کوشش سے کہیں لگ گئی تو آج اس ملک میں فساد اور خرابی کے جو اسباب موجود ہیں وہ دوچند سہ چند ہو جائیں گے۔

بے خوفی بجائے خود کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قابل تعریف ہو۔ بے خوفی دیوانوں اور پاگلوں میں ہوتی ہے لیکن اس سے وہ خود اپنے ہی لیے خطرہ کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ بے خوفی ڈاکوؤں اور رہزنوں میں بھی ہوتی ہے اور اس بے خوفی ہی کی وجہ سے وہ مخلوق کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ بے خوفی ہٹلر کی تعلیم سے جرمنوں میں بھی پیدا ہو گئی تھی لیکن اس کا انجام دنیا کے حق میں اور خود جرمن قوم کے حق میں

کیا ہوا؟ اگر اس طرح کی بے خوفی اس ملک کے باشندوں میں بھی پیدا ہوگئی تو یہ درندوں کی طرح ایک
دوسرے کے لیے اور زیادہ سنگدل اور بے رحم ہو جائیں گے۔ پھر کیا یہی چیز ہے جس کو پیدا کرنے کے لیے
اس ملک کے ناخدا ترس لیڈر کوششیں کر رہے ہیں! اگر یہی چیز ہے تو ہم اپنے ارکان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ
وہ اس ملک کو اس خطرہ سے بھی بچانے کی کوشش کریں اور اپنے قول اور عمل دونوں سے لوگوں پر یہ حقیقت
واضح کریں کہ وہ بے خوفی جو انسان کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے اور جس کی وجہ سے وہ ایک برتر عقلی اور
اخلاقی ہستی کی حیثیت سے ممتاز اور بنی نوع انسان کا سچا خادم بنتا ہے وہ درندوں اور وحشیوں کی بےخوفی
سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس کا مصدر نہ تو قومی تعصب ہے، نہ تہور ہے اور نہ مایوسی ہے بلکہ یہ چیز صرف
سچی خدا پرستی اور خدا ترسی سے حاصل ہوتی ہے۔

جو انسان خدا سے ڈرتا ہے وہ خدا کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ خدا کے ڈر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ
دوسرے تمام خطروں اور اندیشوں کو دل سے نکال پھینکتا ہے۔ انسان کہیں بھی ہو اور اس کے آگے کتنے
ہی خطرات و مصائب پر سے جمائے کھڑے ہوں لیکن اگر خدا کا یقین اور اس کا خوف اس کے اندر موجود ہے
تو وہ اپنے آپ کو فوجوں کے جلو اور لشکروں کی حفاظت میں سمجھتا ہے۔ اس خوف سے جو بے خوفی انسان
میں پیدا ہوتی ہے اس کی خاص خصوصیت اور برکت یہ ہے کہ وہ بے خوفی کے باوجود کہیں بال برابر بھی انصاف
اور سچائی سے انحراف نہیں کرتا۔ ایک طرف اس کی سطوت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کے آگے بڑے بڑوں
کا زہرہ آب ہوتا ہے۔ دوسری طرف اس کی خدا ترسی کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اپنی یا اپنے ساتھیوں کی کسی
معمولی غلطی یا کسی مظلوم کی ذرا سی فریاد سے کانپ اٹھتا ہے۔ ایسے ہی بے خوف اور خدا ترس لوگ تھے جنھوں
نے کسی زمانہ میں اس کرۂ ارضی کے بڑے حصہ کو تہ کر کے اپنی مٹھی میں رکھ لیا تھا لیکن ان کے ہاتھوں اس طرح
کا ایک واقعہ بھی ظہور میں نہیں آیا جس طرح کے ہزاروں لاکھوں واقعات بہار اور بنگال میں پیش آئے
ہیں۔ اس بے خوفی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ مادی ساز و سامان اور تعداد کی کثرت و قلت پر منحصر
نہیں ہوتی۔ وہ کثرت کے اندر بھی باقی رہتی ہے اور قلت کے اندر بھی قائم رہتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جہاں

تعداد زیادہ ہوتی وہاں شیروں کی طرح بہادر بن گئے اور جہاں تعداد کم ہوئی وہاں بھیڑوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ اس بے خوفی کے کرشمے ہیں جو اس ملک کے لیڈر پیدا کر رہے ہیں۔ جو قومی تعصب اور تہور سے پیدا ہوتی ہے اور جس کی پشت پر نہ تو خدا کی قوت ہوتی ہے نہ اس کی نگرانی۔

ہم جماعت اسلامی کے ارکان کے اندر جو بے خوفی دیکھنا چاہتے ہیں وہ یہی بے خوفی ہے جو اللہ کے ایمان اور اس کے ڈر سے پیدا ہوتی ہے اور اسی بے خوفی کی تعلیم انھیں اس ملک کے باشندوں کو بھی دینی چاہیے عام اس سے کہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اس چیز کے پیدا کرنے میں اصلی دخل آپ کی سیرت کو ہے نہ کہ آپ کی زبان کو اس وجہ سے برابر اپنی سیرت کی نگرانی کرنی چاہیے کہ اس کے اندر خوف اور بزدلی کے اثرات سرایت نہ کرنے پائیں۔ آپ اپنے دل کو جس قدر مضبوط رکھنا چاہیں اسی قدر اپنے معاملہ کو خدا سے صاف رکھیں۔ آپ کا معاملہ اللہ سے جس قدر صاف ہوگا اس قدر آپ کو خدا پر اعتماد اور اس سے حسن ظن ہوگا اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے آپ کا حسن ظن بڑھے گا اسی قدر آپ کی قوت قلب میں اضافہ ہوگا۔ جو لوگ خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی نہیں بسر کرتے ان کو نہ تو خدا پر اعتماد ہوتا نہ اس سے حسن ظن اور اسی وجہ سے وہ برابر خوف و ہراس میں مبتلا رہتے ہیں۔ خدا سے مایوسی اور بدگمانی کی وجہ سے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا سے روٹی مانگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ پتھر دے گا اور مچھلی کی طلب کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ وہ سانپ بھیجے گا۔ آپ اپنے دل کو اس طرح کے وسوسوں سے پاک رکھیے۔ جس جگہ ہیں، دل، دماغ اور ہاتھ پاؤں کی قوتیں جس قدر ساتھ دیں خدا کا کام کرتے رہیے۔ جو سپاہی اپنی ڈیوٹی پر ہے وہ اپنے مالک کی طرف سے اپنی مزدوری کا بھی مستحق ہے اور اپنی حفاظت کا بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نہ مزدوری دینے میں بخیل ہے نہ حفاظت کرنے میں کمزور۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ آپ جس ماحول میں بھی ہوں ایک سچے مسلم کی زندگی بسر کیجیے نہ کہ مسلمان قوم کے ایک فرد کی۔ کسی قوم کے ایک فرد اور اللہ کے ایک بندہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ آپ نے پہلی چیز کا تجربہ اب تک کیا ہے اب اس دوسری چیز کا بھی تجربہ کیجیے اور پھر فیصلہ کیجیے کہ کیا دنیا کو اسلام سے بھی وہی تعصب ہے جو مسلمانوں سے ہے یا صورت حال کچھ اور ہے!

مقالات

دعوت حق کے مراحل

از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

ہر دعوت حق کو کامیابی کی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے بالعموم تین مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

——— دعوت

——— ہجرت

——— جنگ

اس زمانہ میں لوگ زیادہ تر صرف یورپ، امریکہ، روس اور ٹرکی وغیرہ کے انقلابات سے واقف ہیں اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ جو مرحلے ان انقلابات میں پیش آئے ہیں وہی ہر انقلاب میں پیش آتے ہیں اور جو طریقے ان انقلابات میں آزمائے جا چکے ہیں وہی ہر انقلاب میں کارگر ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک غلط فہمی ہے جس میں لوگ محض اس وجہ سے مبتلا ہیں کہ ان کے سامنے خالص اسلامی طرز کے کسی انقلاب کی تاریخ نہیں ہے ورنہ انھیں معلوم ہوتا کہ حضرات انبیائے کرام یا ان کے طریق پر کام کرنے والوں کی رہنمائی میں جو انقلاب برپا ہوتے ہیں ان کی خصوصیات ان انقلابات کی خصوصیات سے بالکل مختلف ہیں جو مجرد سیاسی طرز کی تحریکات سے برپا ہوتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ہم خالص اسلامی انقلاب کے مختلف مدارج اور اس کے ہر درجہ کی خصوصیات اور تقاضوں پر یہاں بالاجمال گفتگو کریں گے۔

۱۔ پہلا مرحلہ دعوت کا مرحلہ ہے۔ ابتدا میں دعوت کا خطاب جس طبقہ کی طرف ہوتا ہے وہ ارباب اقتدار کا طبقہ ہے لیکن یہ طبقہ اپنی حالت پر بالکل مطمئن اور اپنی دلچسپیوں میں نہایت مگن ہوتا ہے اس وجہ سے شروع شروع میں یہ لوگ دعوت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ داعی ہر پہلو سے وقت کے نظام فکر، نظام اخلاق اور نظام سیاست

و معاشرت کی غلطیوں کی نشاندہی کرکے اس انجام کو سامنے لاتا ہے جس سے بالآخر اس باطل نظام کو دوچار ہونا ہے لیکن بظاہر یہ گاڑی تیزی سے چل رہی ہوتی ہے اس وجہ سے وقت کے ارباب کار کے لیے یہ باور کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس گاڑی کے دھرے ٹوٹے ہوئے ہیں اور یہ جلد کسی کھڈ میں گر کے رہے گی۔ جب ظاہری حالات سازگار ہوں تو غافلوں کو کسی نظام کی باطنی کمزوریوں سے متنبہ کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ وہ اپنی غفلت اور سرمستی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اپنی کمزوریوں اور خرابیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے بلکہ ان کمزوریوں اور خرابیوں کو خوبی اور کمال کا نام دے لیتے ہیں اور ان لوگوں کو احمق اور بے وقوف بناتے ہیں جو ان کو خرابی اور برائی کہتے ہیں۔ یہ لوگ جس فلسفہ پر کاربند ہوتے ہیں وہ فلسفہ سرے سے کسی چیز کے لیے کوئی اخلاقی بنیاد تسلیم ہی نہیں کرتا۔ ان کے نزدیک ساری دنیا یا تو بخت و اتفاق کا ایک کرشمہ ہے یا مجرد طاقت کے محور پر گھوم رہی ہے اس وجہ سے وہ ساری موعظت ان کو لاطائل اور بے معنی معلوم ہوتی ہے جو ایک داعی حق ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان کے بام بلند تک اول تو غریب داعی کی آواز پہنچتی ہی نہیں اور اگر پہنچتی ہے تو وہ اس کو ایک صدائے بے ہنگام قرار دے کر بدستور اپنی دلچسپیوں میں منہمک رہتے ہیں۔ نہ انھیں اپنے فکر میں کوئی خرابی نظر آتی نہ اپنے نظام میں کسی خلا کا احساس ہوتا۔ بڑی چیخ پکار کے بعد اگر ان میں سے کوئی اپنے خواب خرگوش سے بیدار ہوتا بھی ہے اور اس کو داعی کی کوئی بات اپیل کرتی بھی ہے تو یا تو کبر و خود پرستی کا نشہ اس کو سچائی کے اقرار سے روک دیتا ہے یا پھر مفاد پرستی اور خود غرضی کی مصلحت غالب آکر اس کو سلا دیتی ہے۔ البتہ اس چیخ پکار سے وہ لوگ ضرور متاثر ہو جاتے ہیں جو سلیم الفطرت ہوتے ہیں اور وقت کے نظام باطل سے یا تو خود بیزار ہوتے ہیں یا کم از کم اس کے ساتھ کوئی مفاد پرستانہ وابستگی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے بڑھتے ہیں۔ یہ زیادہ تر غریب لوگ ہوتے ہیں جو نہ سیادت و قیادت کے پندار میں مبتلا ہوتے ہیں، نہ ان کے سامنے اغراض اور مفاد کی حفاظت کا سوال ہوتا، اور نہ ان کے اندر اپنے وقت کے نظام کی حمایت کے لیے کوئی بیجا عصبیت ہوتی۔ یہ ان اسباب و وسائل سے ایک بڑی حد تک محروم ہوتے ہیں جو فتنے میں ڈالنے والے ہیں اس وجہ سے ان کے دل مردہ نہیں ہونے پاتے بلکہ کچھ رمق باقی ہوتی ہے، اور تھوڑی سی تحریک سے ان کے اندر زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس گروہ میں سے اول اول حق کی طرف وہ لوگ سبقت کرتے ہیں جو جوان عمر اور جوان ہمت ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ ان کی دعوت پر سب سے پہلے ان کی قوم کے کچھ نوجوان ایمان لائے۔ کم و بیش یہی صورت حال آنحضرت صلعم کی دعوت میں بھی پیش آئی۔ آپ کی بعثت کے ابتدائی دور میں جو لوگ ایمان لائے ان میں زیادہ تر نوجوان ہی تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوجوانوں کے خون میں حرارت اور ان کے اخلاق میں قوت ہوتی ہے۔ ان کی حمیت و غیرت کچھ تو طبعاً بیدار ہوتی ہے کچھ آسانی سے بیدار کی جا سکتی ہے۔ یہ مخالفتوں سے بہت کم مرعوب ہوتے ہیں اور مصلحتوں کو بہت کم خاطر میں لاتے ہیں۔ یہ جب کسی بات کا حق ہونا محسوس کر لیتے ہیں تو انھیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اس کے قبول کر لینے کے بعد انھیں جانی و مالی مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ ان ساری باتوں سے بالکل بے پروا ہو کر اس کو قبول کرتے ہیں اور مصائب کی تلخی ان کے جوش کو سرد کرنے کے بجائے اور زیادہ تیز کرتی ہے۔

دعوت کے اس ابتدائی دور میں اہل حق کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں وہ وقت کے ارباب اقتدار کی پیدا کردہ نہیں ہوتیں۔ ارباب اقتدار جیسا کہ ہم نے عرض کیا شروع شروع میں دعوت اور داعی کا سرے سے کوئی نوٹس ہی نہیں لیتے۔ اس ابتدائی دور میں ساری مشکلیں اور مزاحمتیں آدمی کے اپنے قریبی ماحول سے سر اٹھاتی ہیں۔ اس دور میں باپ بیٹے، ماں اور بیٹی، بھائی اور بھائی، چچا اور بھتیجے، ماموں اور بھانجے، بیوی اور شوہر، خادم اور آقا، مالک اور غلام، استاد اور شاگرد کی جنگ برپا ہوتی ہے۔ باپ بیٹوں کو قبول حق سے روکنے کے لیے ساری نرم و گرم تدبیریں استعمال کرتے ہیں۔ ان کو اپنے حقوق اور اپنی دیرینہ توقعات یاد دلاتے ہیں، اپنی مالی [illegible] اور بڑھاپے کا حوالہ دیتے ہیں، ان کی اپنی ذمہ داریاں اور فرائض سامنے لاتے ہیں۔ اس راہ کے خطرات و مصائب ایک ایک کر کے گناتے ہیں۔ خاندان کی تباہی کا رونا روتے ہیں۔ امیدوں کی بربادی کا ماتم کرتے ہیں اور سب سے آخر میں گھر سے نکال دینے اور جائداد سے محروم کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں اور بس چلتا ہے تو ایذا رسانی اور زد و کوب پر اتر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ کس لیے؟ اس لیے کہ بیٹے نے اگر کسی حق کے قبول کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اس سے باز آ جائے اور اگر قبول کر لیا ہے تو اس سے برگشتہ ہو جائے! اسی سے ملتا جلتا رویہ ماں کا بیٹی کے ساتھ، بھائی کا بھائی کے ساتھ، چچا کا بھتیجے کے ساتھ، ماموں کا بھانجے کے ساتھ، بیوی کا شوہر کے ساتھ، آقا کا خادم کے ساتھ، مالک کا غلام کے ساتھ اور استاد کا شاگردوں

کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو جس نوعیت سے جس کے اوپر اقتدار رکھتا ہے اس اقتدار کو حق سے پھیرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور جس کے جس طرح کے بھی نسبی، شرعی، اور اخلاقی حقوق کسی پر ہوتے ہیں ان کی قیمت وہ صرف یہ مانگتا ہے کہ ان کے معاوضہ میں وہ اس کے اختیار کیے ہوئے باطل کو پوجتا رہے اور اس کے حقوق کے احترام میں سب سے بڑے حق والے —— خدا سے بغاوت کرے۔

اس دور کی مشکلات کا بیان، قرآن مجید میں، سورہ عنکبوت میں ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے حل کے لیے جو اصولی ہدایات درکار ہیں وہ بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ ہمارے لیے زیادہ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے اس لیے صرف ضروری اشارات پر قناعت کریں گے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں اور سچوں میں امتیاز کرنے کے لیے یہ قانون ٹھیرایا ہے کہ اہل حق مختلف قسم کی شکلوں میں ڈال کر آزمائے جاتے ہیں کہ وہ اپنے دعوے حق میں جھوٹے ہیں یا سچے ہیں اس وجہ سے انھیں آزمائشوں سے آزردہ اور بددل نہیں ہونا چاہیے بلکہ خندہ جبینی سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اور اس بات کا اطمینان رکھنا چاہیے کہ اس آزمائش کے کورس سے گذرنے کے بعد [illegible] ہوتی ہے:

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ (عنکبوت - ۱-۳)	الم۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ [illegible] کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ ہوگی؟ اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو جانچا [illegible] معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد مزاحمت کے بارہ میں اصولی ہدایت دی جو والدین کی طرف سے اہل حق کو پیش آتی ہے (اور یہی ہدایت ان تمام حالات پر منطبق ہوگی جہاں قبول حق میں مزاحمت کرنے والے یا اس سے پھیرنے والے والدین کی سی منزلت میں ہوں)۔ فرمایا:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ۔ وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ	اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی ایسے کو

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۔ (عنکبوت - ۸)

یا ایسا بھی ٹھیرائے جس کے بارہ میں تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کی بات نہ مان ۔

... خدا کے حقوق چونکہ والدین کے حقوق سے بڑے ہیں اس وجہ سے جہاں تک خدا کی اطاعت کا تعلق ہے اس میں والدین کی ... کی پروا کرنا جائز نہیں ہے ۔

اس سلسلہ میں والدین اور بزرگوں کی اس جذباتی اپیل کا جواب بھی دیا جو وہ بالعموم نوجوانوں سے کیا کرتے ہیں کہ تم ہمارے مشورہ پر چلتے رہو اگر تم اس کو باطل سمجھتے ہو تو عذاب وثواب ہم بھگت لیں گے، تم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے :

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۔ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ (عنکبوت - ۱۲-۱۳)

اور کہتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، تم ہمارے طریق پر چلتے رہو اور ہم تمہاری غلطیوں کے ذمہ دار ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی ان کی غلطیوں کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے وہ بالکل جھوٹے ہیں، وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی، اور قیامت کے دن ان سے اس بات کی بازپرس ہوگی جو وہ گھڑ رہے ہیں ۔

(۱۰) اصولی ہدایات کے بعد تین اولوالعزم انبیاء — حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط علیہم السلام — کی مثالیں پیش کی ہیں جن کے عمل نمونے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ایک بندہ حق کو اپنے قریب ترین اور محبوب ترین رشتہ داروں کی مزاحمت کے مقابل میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور حق کی خاطر رشتہ کی محبت و عصبیت سے کس طرح بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ سب سے زیادہ محبوب اور عزیز رشتے تین ہیں۔ بیٹے کا رشتہ، باپ کا رشتہ، بیوی کا رشتہ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے حق کی محبت میں بیٹے جیسی محبوب چیز کے لیے اپنا کلیجہ پتھر کا بنا لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حق کے لیے باپ جیسی شفیق اور محترم ہستی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اسی حق کی خاطر بیوی جیسی محبوب چیز کو چھوڑا۔ بقیہ سارے رشتے ان تینوں رشتوں کے تابع اور احترام و محبت میں ان سے فروتر ہیں تو جب حق کی خاطر ان پر قینچی

چلادینے کا حکم ہوا اور بندگان حق نے اس سے دریغ نہیں کیا تو دوسرے رشتوں اور ناتوں کا کیا ذکر!
ان مثالوں کو پیش کرنے کے بعد یہ بات بھی واضح کر دی کہ اگرچہ ان خون اور جسم کے رشتوں کو کاٹ دینا اپنے بھرے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑنا ہے لیکن جو لوگ حق کی محبت میں یہ بازی کھیلنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور یہ کڑا کر کے کھیل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اجڑے گھر کو پھر بسا تا ہے اور جو کچھ وہ کھوتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ تو اس دنیا میں پاتے ہیں باقی رہیں آخرت کی نعمتیں اور برکتیں تو وہ مزید برآں ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے اس کی برکتوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ	اور ہم نے اس کو بخشے، اسحٰق اور یعقوب اور جاری
وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ	کیا اس کی نسل میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ اور بخشا
وَاٰتَيْنٰهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي	اس کو اس کا اجر دنیا میں اور آخرت میں وہ نیکوکاروں
الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ (عنکبوت - ۲۷)	کے زمرہ میں ہوگا۔

سب سے بڑی چیز جو آدمی کو اس کے قریبی ماحول سے لڑنے میں بزدل بناتی ہے وہ اس کی معاشی مشکل ہے۔ حق کی خاطر محبت کے رابطوں کو کاٹ دینا بھی بڑے دل و جگر کا کام ہے لیکن اگر آدمی ہمت کر کے اس گھاٹی کو پار کر لے تو اس کے بعد اس کو اپنے اس ماحول سے دامن جھاڑ کے اٹھ جانا کچھ آسان نہیں معلوم ہوتا جس کے معاشی وسائل ہی پر اب تک وہ پلا اور بڑھا ہے اور جس کے دائرہ سے باہر کی ساری دنیا اس کے لیے بالکل اجنبی اور بیگانہ ہے۔ اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے قرآن نے اسی سورہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ کی بندگی کا حق ہر حال ادا ہونا چاہیے اگرچہ اس کے لیے آدمی کو گھر در سب کچھ چھوڑنا پڑے۔ جو لوگ خدا کی بندگی اور اطاعت کے عشق میں بے خانماں ہوں گے خدا کی وسیع زمین ان کے لیے تنگ دامن نہ ثابت ہوگی۔ اگر اس راہ میں ان کو موت آگئی (اور موت سب کو آنی ہے) تو ان کے لیے خدا کی بہشت کی جاودانی نعمتیں اور برکتیں ہیں اور اگر وہ زندہ رہے تو یہ کیوں سوچیں کہ کیا کھائیں گے؟ زمین کا کونسا جاندار ہے جو اپنی روزی اپنے ساتھ باندھے پھرتا ہے لیکن پھر بھی جہاں وہ جاتا ہے خدا اس کو اس کے حصہ کی روزی پہنچاتا ہے تو انسان تو ان جانداروں کے مقابل میں خدا کی نظر میں بدرجہا زیادہ قیمت رکھتا ہے، آخر وہ اسی کو روزی سے کیوں محروم رکھے گا!

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ. كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ. وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ. الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا. اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ. اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (عنکبوت ۵۶-۶۲)

اے میرے وہ بندو جنھوں نے ایمان قبول کیا، میری زمین بڑی کشادہ ہے تو میری ہی بندگی کرو۔ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم کو ہمارے ہی پاس لوٹ کے آنا ہے۔ سو جو ایمان لائے اور جنھوں نے بھلے کام کیے ہم ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ نیک کام کرنے کا کیا ہی عمدہ بدلہ ہے! ان کا جنھوں نے ثابت قدمی دکھائی اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے رہے! اور زمین میں کتنے جاندار ہیں جن کو دیکھتے ہو کہ اپنی روزی باندھے نہیں پھرتے۔ اللہ ان کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی روزی دیتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو نفع رسانی میں سرگرم کیا تو جواب دیں گے اللہ! تو پھر وہ کہاں بھٹک جاتے ہیں۔ اللہ روزی کو کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بیشک۔

جو لوگ اپنے قریبی ماحول کی جنگ میں مضبوط اور ثابت قدم نکلتے ہیں اور حق کی خاطر اپنے خونی اور رحمی رشتوں کی کوئی پروا نہیں کرتے وہ قدرتی طور پر ان لوگوں کے اندر اپنے دل کی وابستگی تلاش کرتے ہیں جو اگرچہ خون اور نسب میں ان کے ساتھ اشتراک نہیں رکھتے لیکن فکر و عمل میں ان کے ہم خیال ہوتے ہیں اور انھی کی طرح حق کی خاطر اپنے ماحول سے کشمکش میں مشغول ہوتے ہیں۔ انسان کی ساخت فطری طور پر ایسی ہے کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا اس وجہ سے وہ جب اپنے پچھلے تعلقات کی بساط لپیٹتا ہے تو لازماً نئے تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس کی ایک فطری ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی

زندگی کا صحیح ارتقا محال ہے اس وجہ سے اہل حق کی جنگ اپنے قریبی ماحول سے جتنی ہی سخت ہوتی جاتی ہے ان کے آپس کے رابطے اتنے ہی مضبوط و محکم ہونا شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ وقت کی سوسائٹی کے اندر یہ ایک مستقل کنبے اور گھرانے کی حیثیت سے ممیز ہونا شروع ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس قدر نمایاں ہو جاتے ہیں کہ ان کا وجود بحیثیت ایک جمعیت کے محسوس ہونے لگتا ہے اور وقت کا نظام ان کے اثر سے متاثر ہونا شروع ہوتا ہے۔

جب داعیان حق اس دور میں پہنچتے ہیں تب وقت کے ارباب اقتدار چوکنے ہوتے ہیں اور انھیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کو وہ اب تک صرف چند سرپھرے انسانوں کا وسوسہ اور جنون خیال کرتے رہے ہیں وہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے۔ اگر انھوں نے اس کی جلد خبر نہ لی تو اس نظام کی خیر نہیں ہے جس کے علمبردار ہیں اور جس کے دم سے ان کی تمام عزت و عظمت قائم ہے۔ اس خطرہ کو محسوس کر کے وہ دعوت کو دبانے کے لیے کمر باندھتے ہیں اور اندھا دھند ظلم شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ظلم چونکہ ارباب اقتدار کا ظلم ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو انسان انسان کو ستانے کے لیے کر سکتا ہے۔ دنیا کی پچھلی تاریخ میں اہل حق اپنے وقت کے ارباب اقتدار کے ہاتھوں آگ میں بھونے گئے، تلواروں سے قیمہ کیے گئے، آروں سے چیرے گئے، درندوں سے نچوائے گئے، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے۔ قید خانوں میں بند کیے گئے، اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ اب اگرچہ دنیا فکر و خیال کی آزادی کو بطور اصول کے تسلیم کرنے لگی ہے لیکن جہاں تک اس دعوت حق کا تعلق ہے، جو زندگی کے سارے شعبوں کو شیطان کی ماتحتی سے نکال کر خدا کی اطاعت کے نیچے لانا چاہتی ہے، اس کے علمبرداروں کے لیے آج بھی دنیا کی تاریخ بدلی نہیں ہے۔ ان کو ان تمام حالات سے گزرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے جن سے اہل حق کو اس سے پہلے گزرنا پڑا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ	کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے حالانکہ
وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ	ابھی تمھارے سامنے اس طرح کے حالات نہیں آئے جس
مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا	طرح کے حالات ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے گزر چکے
حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ہیں۔ ان کو تنگی اور اذیت کے سانحے احوال سے دوچار ہونا پڑا

مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (بقرہ - ۲۱۴)

اور پوری طرح جھنجھوڑ دیے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ سارے لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی! اطمینان رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

یہ دور اہل حق کے لیے اگرچہ نہایت سخت ہوتا ہے لیکن اس میں اگر وہ پامردی دکھاتے ہیں اور وقت کے ارباب کار کے سارے مظالم کے باوجود اپنی دعوت اور اپنے مسلک پر ڈٹے رہ جاتے ہیں تو ان کی اخلاقی قوت کی دھاک ان کے مخالفوں کے دلوں پر بھی بیٹھ جاتی ہے اور ان کی جماعت اور ان کے مسلک کے لیے وقت کے فکر اور نظام میں اتنی گنجائش نکل آتی ہے کہ جو لوگ کبھی اس دعوت کا ذکر بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے وہ اس بات کے لیے تگ و دو شروع کر دیتے ہیں کہ کسی طرح کوئی بیچ کی راہ ایسی نکل آئے جس پر دونوں فریق راضی ہو سکیں اور یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو۔ لیکن اصول کے معاملہ میں سمجھوتے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس وجہ سے اہل حق مجبور ہوتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے ارباب اقتدار کے بے تحاشا ظلم کا مقابلہ کیا اسی طرح ان کی اس باطل خواہش کا بھی مقابلہ کریں اور ان پر ثابت کر دیں کہ جس مسلک کے وہ داعی ہیں اس سے انچ برابر بھی وہ ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہی دور ہے جس میں اہل حق کے لیے یہ ہدایتیں اتری ہیں۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (یونس - ۱۵)

جب ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو جن کے دلوں میں ہماری ملاقات کی کھٹک نہیں ہے وہ کہتے ہیں اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں کچھ ترمیم کرو۔ کہدو مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے

اہل باطل کی اسی خواہش کی جڑ کاٹ دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مسلک حق کی از سر نو وضاحت کرا دی گئی تاکہ سمجھوتہ کی توقع کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ

اے لوگو، اگر تم کو میرے دین کے بارہ میں کوئی شک ہے

من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفکم وامرت ان اکون من المؤمنین وان اقم وجھک للدین حنیفا ولا تکونن من المشرکین (یونس - ۱۰)

تو سن لو کہ میں ان کی بندگی نہیں کرنے کا جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بلکہ میں تو صرف اس اللہ کی بندگی کروں گا جو تم کو موت دیتا ہے اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے بنوں اور یہ کہ تو اپنے رخ کو یکسو ہو کر دین حق کی طرف پھیرا رہ اور مشرکوں میں سے مت بن۔

اس طرح کی سمجھوتے کی دعوتیں بسا اوقات اہل حق میں سے بھی بعض لوگوں کو متاثر کر دیتی ہیں اور وہ بھی کسی غلط فہمی کی وجہ سے مصلحت اسی میں سمجھنے لگتے ہیں کہ نرم گرم کچھ سمجھوتہ ہو جائے۔ ان لوگوں کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے یہ موعظت اتری:

فاستقم کما امرت ومن تاب معک ولا تطغوا انہ بما تعملون بصیر - ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون - واقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من الیل ان الحسنت یذھبن السیات ذلک ذکری للذکرین - واصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (ہود)

جس طرح تجھے حکم ملا ہے اسی طرح ڈٹا رہ۔ اور وہ لوگ بھی جنھوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے۔ اور راہ حق سے انحراف نہ ہونے پائے۔ بے شک وہ جو کچھ کرتے رہتے ہو، اس کو وہ دیکھنے والا ہے اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ظلم کیا ہے کہ تمھیں بھی جہنم کی آگ پکڑے، اور اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی کارساز نہیں۔ پھر تمھاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور نماز کو قائم کرو دن کے دونوں حصوں میں اور رات کے کچھ حصے میں۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ یاد دہانی ہے یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لیے اور ثابت قدم رہ کہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

جب اہل حق اس دور سے بھی کامیابی سے گزر جاتے ہیں اور مخالفین کے خوف اور ان کی دعوت مصالحت سے متاثر ہو کر دعوت میں کسی کمی بیشی اور ترمیم و تغیر پر راضی نہیں ہوتے بلکہ اپنی پوری دعوت کو بغیر کسی ترمیم کے پوری بے خوفی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں تو ارباب اقتدار ان کو شکست دینے کے لیے ایک نئی چال چلتے ہیں۔ اب وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح دعوت کے لیڈروں کو طمع کے دام میں شکار کریں۔ اس کے لیے

وہ داعیوں کے سامنے وہ سب کچھ پوری فراخدلی کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو اس دنیا میں چاہی جاسکتی ہیں — زیادہ سے زیادہ دولت، معزز سے معزز گھرانے میں شادی، عزت و پیشوائی کا منصب — اور اس کا معاوضہ صرف یہ مانگتے ہیں کہ داعی کسی طرح اس دعوت میں کچھ ترمیم کرنے پر راضی ہو جائے جس نے ان کا چین اور اطمینان غارت کر رکھا ہے۔ یہ خوبصورت بلا پچھلی تمام خوفناک بلاؤں سے بھی اہل حق کے لیے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں خلیفۂ وقت کی طرف سے جب بے تحاشا کوڑے مارے گئے تو انھوں نے ان کوڑوں کی کوئی پروا نہ کی۔ جن کوڑوں کا ذکر کتابوں میں اس طرح آتا ہے کہ اگر اتنے کوڑے کسی ہاتھی کے بھی مارے جاتے تو وہ چیخ اٹھتا ان کوڑوں کی بارش پر امام کی زبان سے اُف بھی نہ نکلا۔ لیکن جب اس کے بعد خلیفۂ وقت نے امام کی عزیمت سے شکست کھا کر پینترا بدلا اور کوڑوں کی جگہ ان پر انعام و اکرام کی بارش شروع کی تو وہ چیخ اٹھے کہ "خدا کی قسم یہ انعام و اکرام مجھ پر کوڑوں سے بھی سخت ہے"۔ دعوت حق کے لیے یہ دور بڑی ہی آزمائش کا دور ہوتا ہے۔ کراہت موت کے فتنہ سے حب دنیا کا فتنہ بدرجہا زیادہ سخت و شدید ہے۔ بڑے بڑے ارباب عزیمت جو لوہے کی زنجیروں کو اپنی ایک ہی جنبش میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں چاندی اور سونے کی زنجیروں کو خود شوق سے زیور کی طرح پہن لیتے ہیں اور پھر کبھی ان سے آزاد ہونے کی ہمت نہیں کرتے۔ خوف کا بھوت جن لوگوں کو مرعوب کرنے سے عاجز رہتا ہے ان کو طمع کا شیطان اس آسانی سے پچھاڑ لیتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سے ہمت ہارے بیٹھے تھے۔ اس دور کی آزمائشوں کے لیے دعوت حق کی تاریخ میں بہترین اسوہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے۔ قریش نے سخت سے سخت مصیبتوں میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ڈال کر جب دیکھ لیا کہ یہ اپنی دعوت سے باز آنے والے ہیں اور نہ اس میں کسی ادنیٰ ترمیم پر راضی ہیں تو آپ کے پاس جا کر درخواست کی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا مال و دولت؟ اگر اس چیز کی خواہش ہے تو ہم اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیش کرنے کو تیار ہیں۔ کیا کسی معزز گھرانے میں شادی؟ اگر اس کا ارمان ہے تو ہم میں سے ہر ایک اس بات کے لیے بھی تیار ہے کہ آپ کی یہ خواہش بھی پوری کی جائے گی۔ کیا قوم کی افسری اور سرداری؟ اگر آپ اس کا شوق رکھتے ہیں تو ہم یہ جگہ بھی آپ کے لیے خالی کیے دیتے ہیں۔ لیکن خدارا آپ اپنی اس دعوت کو بند کیجیے اور باپ دادا کے دین کو بدلنے کی

کوشش نہ کیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان ساری ترغیبات کے جواب میں ایک حرف بھی نہیں فرمایا بلکہ قرآن شریف کی چند آیتیں ان کو پڑھ کر سنائیں جن میں انہی مقاصد کا نہایت موثر الفاظ میں اعادہ تھا جن کی دعوت کے لیے آپ قریش کے ہاتھوں یہ سب کچھ جھیل رہے تھے۔ قریش آپ کا یہ جواب سن کر آپ سے مایوس ہو گئے۔

اس منزل سے بھی داعیان حق جب بخیریت گذر جاتے ہیں تو ایک طرف تو دعوت حق تبلیغ اور اتمام حجت کی آخری حد کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ جن کے اندر کچھ بھی اخلاقی رمق باقی ہوتی ہے وہ یا تو علانیہ حق کا اظہار کر کے اہل حق کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں یا کم از کم دل سے اس حق کا اقرار کر لیتے ہیں اور اس کے اظہار کے لیے کسی سازگار ساعت کا انتظار کرتے ہیں۔ دوسری طرف دعوت کے مخالفین دعوت کو دبانے کی تمام کوششوں سے مایوس ہو کر اس کو یکقلم ختم کر دینے کا آخری فیصلہ کر لیتے ہیں اور تمام نتائج سے بے پروا ہو کر داعی اور دعوت سب کو کچل ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہی وہ موقع ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کیا گیا، حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی کوشش کی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قریش کے تمام ارباب حل وعقد نے دار الندوہ میں جمع ہو کر مختلف قسم کی تجویزیں پیش کیں۔ کسی نے کہا آپ کو پا بزنجیر کر کے کسی مکان میں بند کر دیا جائے، کسی نے رائے دی کہ آپ کو ملک سے نکال دیا جائے، بالآخر ابوجہل کی اس تجویز پر سب کا اتفاق ہوا کہ قریش کے ہر خاندان کا ایک ایک آدمی آمادہ ہو اور سب مل کر ایک ساتھ آپ کو تلوار مار دیں تاکہ آل ہاشم آپ کے قتل کا بدلہ نہ لے سکیں۔

جب معاملہ اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ داعیان حق کے لیے اپنی قوم کے اندر اپنی جان کی حفاظت ناممکن ہو جاتی ہے تب دعوت حق برأت اور ہجرت کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

(باقی)

مسئلہ سود اور قرآن کریم

(ازجناب مولوی سید احمد قادری صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

انسانوں کو قتل کرنے کے بہت سے آلات ہیں، سود بھی ان میں کا ایک مہلک ترین آلہ ہے۔ ڈاکے ڈالنے کے بہت سے طریقے ہیں، سود بھی ان میں کا ایک ہولناک طریقہ ہے۔ بہت سے زہر ایسے قاتل ہیں کہ ان کا ایک قطرہ بڑے سے بڑے قوی ہیکل انسان کو چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور اب بہت سے ایسے بھی بنا لیے گئے ہیں کہ ان کے استعمال سے انسان فوراً نہیں مرتا بلکہ مہینوں اور برسوں کے بعد مرتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔ سود بھی اسی قسم کا ایک زہر ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ قتل، یہ ڈاکا، یہ زہر خورانی حکومتوں کے قانون کے ماتحت اور ان کی سنگینوں کے سایے میں ہو رہی ہے اور اس کی تاریخ دنیا کے دیگر مفاسد کی طرح بہت قدیم ہے۔ آج سے سینکڑوں برس پہلے اسلام نے اس ظلم کو سختی کے ساتھ روکا تھا اور اس شجر خبیث کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کے کروروں انسان سود کی لعنت سے محفوظ تھے: کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو سودی کاروبار کے ذریعہ تباہ و برباد نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا کے ان تمام خطوں میں جہاں دین اسلام کو ماننے والوں کا پرچم اقبال لہراتا تھا سودی کاروبار کی قانوناً ممانعت تھی اور مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی آپس میں یہ کاروبار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سود ایک ظلم صریح ہے چاہے مسلمان مسلمان سے لے یا کافر کافر سے، اور ظاہر ہے کہ اسلام تمام دنیا سے ظلم کو مٹانے آیا تھا نہ کہ اس کو کسی جگہ روکنے اور کسی جگہ جائز کرنے۔ سود کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو ہر سود خوار جانتا ہے خرید و فروخت کی اصطلاح اور معاملات کی زبان میں سود کس کو کہتے ہیں ہر سیٹھ، ساہوکار، اور مہاجن جانتا ہے اور اگر کوئی نہیں جانتا ہے تو اسے سود کی حقیقت جاننے کے لیے فقہی کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بجائے

دنیا کی معاشی تباہی کی تاریخ پڑھنی چاہیے جس کا ایک ایک صفحہ اس لفظ کی ہولناک تشریح کرتا ہے اور اگر گزشتہ تاریخ سے دلچسپی نہ ہو تو اس وقت دنیا کا معاشی بحران ایک مبسوط کتاب کی طرح آنکھوں کے سامنے ہے جس کی سطر سطر میں یہ لفظ اپنی تمام تباہ کاریوں اور خونچکانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے — ہمیں یہاں سود خواری کی تاریخ اور اس کی تباہ کاریوں پر بحث کرنی نہیں ہے ہمیں تو یہاں یہ سمجھنا ہے کہ دین اسلام نے سود کی ممانعت کس انداز میں کی ہے، آیا اس نے اس کا پھاٹک بالکل بند کر دیا ہے یا کوئی چور دروازہ کھلا بھی چھوڑا ہے؟ آیا اس نے اس کاروبار کے ذریعہ حاصل کی ہوئی دولت کو ہر وقت اور ہر جگہ حرام قرار دیا ہے یا کہیں حلال بھی کیا ہے؟ آیا کسی انسان کو چار روپے قرض دے کر اس سے کچھ دنوں کے بعد آٹھ روپے وصول کرنے کو ہر جگہ سود ہی قرار دیا ہے یا کہیں سود اور کہیں کچھ اور؟ دراصل انہی سوالات کا حل ہمارا مقصود ہے اور ہم سمجھنا چاہتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز ہمارے پاس قرآن کریم ہے۔

قرآن کریم کی ان آیتوں کو جو ربا کے متعلق نازل ہوئی ہیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی طرح ربا کی حرمت بھی بتدریج ہوئی ہے اور شارع اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے ربا کا مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

تحریم ربا کی تمہید | ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (روم - ۳۹)

اور جو دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود کے ذریعہ مال جو بڑھتا نظر آتا ہے وہ حقیقت میں بڑھتا نہیں گھٹتا ہے اور اللہ کی رضامندی کے لیے جو مال بغیر کسی عوض کے خرچ کیا جاتا ہے وہ گھٹتا نظر آتا ہے حالانکہ گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ ترقی و انحطاط اور بڑھاؤ گھٹاؤ کے جانچنے کی اصل کسوٹی اللہ کی

رضامندی ہے جس مال کی زیادتی سے وہ ناخوش ہوتا ہے وہ ہزار بڑھے لیکن انجام کار صاحب مال گھاٹے ہی میں رہے گا اور چاہے دنیا میں وہ صاحب مال قارون ہی کیوں نہ بن جائے لیکن اللہ کے نزدیک اس کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی، جس مال کی کمی سے وہ خوش ہوتا ہے وہ ہزار گھٹے لیکن انجام کار صاحب مال نفع ہی میں رہے گا اور چاہے دنیا میں وہ صاحب مال اللہ کی راہ میں اپنی دولت لٹا کر کے بالکل مفلس ہی کیوں نہ ہو گیا ہو اللہ کے نزدیک ہزاروں برلا اور لاکھوں شاملاک اس کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہ ہوں گے۔ یہ آیت مسلمانوں کے لیے ایک تمہید و تنبیہ تھی اس بات کے لیے کہ آئندہ ربا کے متعلق اللہ تعالیٰ کیا رویہ اختیار کرنے والا ہے۔

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو جماعتی زندگی میسر ہوئی اور کچھ سکون ملا، مدینہ اور اس کے آس پاس اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کے بھی متعدد مضبوط اور مالدار قبیلے آباد تھے اور نہایت ہولناک قسم کے سود خوار تھے اور انھوں نے اپنی دینی ممانعت کے باوجود اوس و خزرج سے بلکہ ہر غیر اسرائیلی[1] سے سود لینے کو جائز بنا لیا تھا اور ان قبیلوں کا بند بند یہودیوں کے سودی کاروبار کے جال میں کسا ہوا تھا اور سود در سود کا انتہائی ظالمانہ جال ہر طرف بچھا ہوا تھا۔ غزوۂ احد کے بعد سود کی حرمت بایں الفاظ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (آل عمران)	اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دوگنا چوگنا کر کے اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اس آیت نے مسلمانوں پر سود در سود کا دروازہ بند کر دیا اور ان کے لیے حرام ہو گیا کہ سود در سود کا کوئی معاملہ کریں۔ عہد تنزیل میں بھی سود در سود کی یہی صورت تھی جو آج ہندوستان کے بنیے، سیٹھ اور مہاجن کرتے ہیں مثلاً کچھ مدت کے لیے سو روپے دیے اور ادا نہ ہونے کی صورت میں ماہ بماہ سال بسال سود در سود بڑھاتے گئے یہاں تک کہ اسی سو روپے میں مدیون کی ہزاروں روپے کی جائداد کے مالک

[1] قرآن نے متعدد آیتوں میں یہودیوں کی سود خواری کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں نے عام ممانعت کے باوجود محض اپنی عقلی قیاس آرائی سے اپنے قبائل کے علاوہ غیر اسرائیلیوں سے سود لینا جائز بنا لیا تھا۔

بن گئے۔ ابن جریر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وکان اکلھم ذلک فی جاھلیتھم ان الرجل منھم کان یکون لہ علی الرجل مال الی اجل فاذا حل الاجل طلبہ من صاحبہ فیقول لہ الذی علیہ المال اخّر عنی دینک وازیدک علی مالک فیفعلان ذلک فذلک ھو الربا اضعافاً مضاعفۃ فنھاھم اللہ عز وجل فی اسلامھم عنہ

جاہلیت میں ان کے سود در سود کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی شخص پر مقررہ مدت تک کا کوئی دَین ہوتا، جب مدت پوری ہو جاتی تو وہ مدیون سے طلب کرتا مدیون کہتا کہ قرض کے ادا کرنے کی مدت بڑھا دو ہم تمھارے اصل مال میں اضافہ کر دیتے ہیں، اس طرح یہ معاملہ دونوں میں طے ہو جاتا، پس یہی سب سود در سود پر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسلام میں اس سے روک دیا۔

جاہلیت کے سود کا معاملہ ایک دفعہ پر ختم نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر سال بڑھتا جاتا تھا اور اس کے بڑھنے کی کوئی حد نہ تھی:

کان الرجل منھم اذا بلغ الدین محلہ زاد فی الاجل وھکذا امرۃ بعد اخری حتی استغرق بالشی الطفیف مال المدیون

ان میں کا کوئی قرض خواہ جب اس کے قرض کے ادا ہونے کا وقت آجاتا تو وہ مدت بڑھا دیتا اور اسی طرح بدفعات بڑھتا جاتا یہاں تک کہ تھوڑی چیز کے بدلے میں مدیون کے پورے مال پر قبضہ کر لیتا۔

اس آیت کے نزول کے بعد وہ تمام مسلمان جن کو اس آیت کی خبر مل گئی سود در سود کے کاروبار سے رک گئے، اس رکاوٹ و ممانعت سے یہود اور کفار کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ اب وہ مسلمانوں کو سود کے جال میں کس نہیں سکتے تھے اس لیے انھوں نے کہنا شروع کیا کہ بیع و ربا میں فرق ہی کیا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ بیع کو تو جائز قرار دیا جائے اور سود کو حرام کیا جائے کیونکہ زیادتی دونوں میں ہوتی ہے۔ دو روپے کی چیز چار روپے میں بیچنا جائز ہو اور دو روپے کے بدلے میں چار روپے لینا ناجائز ہو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ غرض وہ لوگ جھنجھلا جھنجھلا کر اسی قسم کی ہفوات بکنے لگے یہاں تک کہ ۳ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا جواب دیتے ہوئے سود کو بالکل حرام کر دیا اور حرمت ربا کی آیت مطلق نازل فرمائی

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوٰا لَا يَقُومُونَ
إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوٓا إِنَّمَا
الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَوٰا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبَوٰا (بقرہ - ۲۷۵)

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر
جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے
لپٹ کر یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انھوں نے کہا کہ
سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال
کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں سود خواروں کے دنیوی و اخروی حال کا پورا پورا نقشہ کھینچا ہے اور یہود و مشرکین کے قول کو رد کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے تمام بنی نوع انسان کے لیے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کر دیا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہ رہا کہ کسی سے سود لے اور کسی کو سود دے۔ اب سوال ان سودی رقموں کا باقی تھا جو وصول ہو کر لوگوں کے قبضہ میں آچکی تھیں یا قرض داروں کے ذمہ باقی تھیں اس لیے ان کے متعلق الگ احکامات نازل ہوئے۔ سودی رقم جو قبضے میں آچکی تھی اس کے متعلق یہ آیت اتری:

فَمَنْ جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ
فَانتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى اللَّهِ
وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ (بقرہ - ۲۷۵)

پس جس کے پاس اس کے رب کی ممانعت آئی اور
وہ رک رہا تو اس کے لیے ہے جو اس نے پہلے کیا اور اس کا
معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس نے پھر کیا تو وہ جہنم والے
ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی جس شخص تک تحریم ربا کا حکم پہنچ گیا ہے اور اس نے یہ حکم معلوم کرتے ہی بلا تردد اور بغیر کسی تاخیر و تراخی کے سودی کاروبار ترک کر دیا تو وہ اس رقم کا جس پر قبضہ کر چکا ہے مالک ہو گیا اس کو اس رقم کو مدیون تک لوٹانے کی تکلیف نہیں دی گئی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سودی رقم اس کے لیے حلال و طیب ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے بلکہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے لیے ہے جو تحریم کے بعد سود خواری سے رک گیا لیکن وہ شخص جو اس تحریم کے بعد بھی باز نہ آیا اور اس نے پھر سود لیا تو وہ دوزخیوں میں سے ہے اور مدت دراز تک اس کو

اس کی سزا کتنی سخت ہوگی۔

لوگوں کے یہاں جو سودی رقمیں باقی تھیں یا جو راس المال باقی تھا اس کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (بقرہ ۔ ۲۷۹)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم نہ کروگے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کروگے تو تمہارے لیے تمہارا راس المال ہے۔ نہ تم ظلم کروگے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

یہ آیتیں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور انھوں نے سود خواری کے تمام دروازے بند کر دیے اور کہیں کوئی رخنہ کھلا نہیں چھوڑا۔ جس زور و شور اور سختی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس ملعون کاروبار کو حرام کیا ہے وہ قرآن کریم کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ حرب کا لفظ پورے قرآن میں چھ جگہ استعمال ہوا ہے ان میں سے ایک یہی حالت ربا کا موقع ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد سودی کاروبار اسلامی حکومت کے دائرے میں بدترین جرم بن گیا اور مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم کے لیے بھی جائز نہ رہا کہ یہ کاروبار کر سکے۔ قبائل سے صلح کے موقع پر ایک دفعہ یہ بھی بڑھا دی گئی کہ ان کو سودی کاروبار نہیں کرنا ہوگا، ورنہ معاہدہ صلح ٹوٹ جائے گا اور تمام سود خوار قبائل کو آگاہ کر دیا گیا کہ اگر وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔

عن ابن جريج قال كانت ثقيف قد صالحت النبي صلى الله عليه وسلم على ان ما لهم من ربا على الناس وما كان للناس عليهم فهو موضوع فلما كان الفتح استعمل عتاب بن اسيد على مكة وكانت بنو عمرو بن عمير بن عوف يأخذون الربا من المغيرة وكانت بنو المغيرة يربون لهم	ابن جریج سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ قبیلہ ثقیف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی تھی کہ ان کا سود جو لوگوں کے ذمہ باقی ہے اور لوگوں کا سود جو ان کے ذمہ باقی ہے وہ سب باطل ہے۔ جب مکہ فتح ہوا تو عتاب بن اسید اس کے والی بنائے گئے اور بنو عمرو بنو مغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ جاہلیت میں ان کو سود دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اسلام آیا اس حال میں کہ بنو عمرو کی بڑی رقم بنو مغیرہ کے

فی الجاھلیہ فجاء الاسلام ولھم علیھم مال کبیر فاتاھم بنو عمرو یطلبون ربا ھم فابا بنو المغیرۃ ان یعطوھم فی الاسلام ورفعوا ذلک الی عتاب بن اسید فکتب عتاب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مومنین الی ولا تظلمون فکتب بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عتاب وقال ان رضوا والا فاذنھم بحرب (تفسیر ابن جریر ج ۳)

ذمہ باقی تھی بنو عمرؓ نے بنو مغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ کیا انھوں نے اسلام کے بعد سود دینے سے انکار کیا اور والی مکہ کے یہاں مقدمہ دائر کیا حضرت عتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا اس کے بعد یٰا یھا الذین اٰمنوا الخ کی آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کو لکھا اگر بنو عمر راضی ہو جائیں تو خیر ورنہ ان سے اعلان جنگ کر دو۔ ....

....

....

آیت کی اس شان نزول کے علاوہ ابن جریر اور دیگر مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیتیں حضرت عباس اور ان کے ایک شریک کی شان میں نازل ہوئیں جو اسلام سے پہلے سودی کاروبار کرتے تھے اور ان کی سودی رقمیں لوگوں کے ذمہ باقی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد ان لوگوں نے اس کا مطالبہ شروع کیا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور حضرت عباس نے نہ صرف یہ کہ سودی رقم معاف کر دی بلکہ راس المال بھی صدقہ کر دیا۔ غرض یہ کہ ان آیتوں نے اس لین دین کا قصہ بالکل چکا دیا اور اس کو بہر نوع و بہر طور محرم ابدی قرار دیدیا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت سے جو مسئلہ سمجھا ہے اس کا ذکر بھی بیان مناسب ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"مسئلہ جو احقر نے اس آیت سے سمجھا ہے، دار الحرب میں حربی سے سود لینا حرام ہے کیونکہ یہ بقایا زمانہ جاہلیت کا تھا جبکہ مکہ دار الحرب تھا اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اس کا مطالبہ بہر حال میں درست ہے گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو مثلاً ایک نصرانی

نے دوسرے نصرانی سے ایک روپیہ کی شراب خریدی ان کے لیے معاملہ حلال تھا پھر دونوں مسلمان ہو گئے باوجودیکہ اب ایسی بیع وشرا درست نہیں مگر پچھلا روپیہ وصول کرنا درست ہے پس جب ربا میں پچھلا بقایا لینے کی اجازت نہ ہوئی، معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حلال نہ تھا پھر حربی حربی میں درست نہ ہوا تو مسلم اور حربی میں کیسے درست ہوگا۔ رہا لیا ہوا واپس نہ لینا یہ تخفیف تھی بعذر عدم علم تحریم کے، واسطے دفع حرج کثیر اور نخعی روایت جو اس کے متعلق مشہور ہے احقر کے نزدیک اس کی خاص تفسیر ہے۔" (بیان القرآن)

بلحاظ نزول، قرآن کی آخری آیت

قرآن کریم کی وہ آیت کونسی ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں معمولی اختلاف سے قطع نظر اتنا باتفاق ثابت ہے کہ احکام کے سلسلے کی سب سے آخری آیت، آیت ربا ہے۔ سید محمد رشید رضا مصریؒ لکھتے ہیں:

"بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ آخری آیت جو نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے۔ بیہقی نے حضرت عمر سے اسی کے مثل روایت کی ہے۔ اتقان میں ہے کہ اس سے مراد آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے بطریق سعید بن جبیر اور ابن جریر نے بطریق عوفی وضحاک ابن عباس سے ایسی ہی روایت کی ہے اس آیت کے نزول اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں کل ۸۱ دن کا فرق ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نو شب زندہ رہے اور اسی کے مثل ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے ابو عبیدہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آخری آیت، آیت ربا اور آیت دین ہے۔ سیوطی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ میرے نزدیک ان روایات (یعنی آیت ربا و آیت دین و آیت واتقوا) میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام آیتیں بیک وقت نازل ہوئیں جیسا کہ مصحف میں ان کی ترتیب ہے اور یہ بات اس لیے بھی ظاہر ہے کہ یہ تمام آیتیں ایک ہی قصہ میں نازل ہوئیں پس مختلف لوگوں نے ان میں سے بعض

کے متعین کردیا کہ یہی آخری آیت ہے اور یہ صحیح ہے۔ (تفسیر شیخ محمد عبدہ، ج ۳)

ربا النسیئہ و ربا التفاضل | یہاں اس چیز کو سمجھ لینا بھی اشد ضروری ہے کہ قرآن کریم نے جس سود کو اتنی سختی کے ساتھ حرام قرار دیا ہے وہ سود کیا ہے اور اس کی کیا صورت تھی، ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے اسی سودی کاروبار کو حرام قرار دیا ہے جو نزول آیت تحریم کے وقت تمام عرب میں پھیلا ہوا تھا اور جس کو زبان رسالت نے ربا الجاہلیہ کہا ہے۔ جاہلیت کا سود کیا تھا؟ اس کے متعلق ابن جریر کی ایک روایت پہلے گزر چکی ہے اب یہاں مزید تفصیل کی جاتی ہے۔

وذلك ان الذين كانوا ياكلون الربا من اهل الجاهلية كان اذا حل مال احدهم على غريمه الغريم لغريم الحق زدني في الاجل وانا ازيدك في مالك۔ (تفسير ابن جرير)

اہل جاہلیت میں سے جو لوگ سود خوار تھے جب ان میں سے کسی کے مال کی وصولی کا وقت آتا تھا تو قرض دار قرض خواہ سے کہتا تھا تو میرے لیے وصولی کی مدت بڑھا دے میں تیرے مال میں اضافہ کر دیتا ہوں۔ ....

انما كان الربا في الجاهلية في التضعيف وفي السن يكون للرجل فضل دين فياتيه اذا حل الاجل فيقول له تقضيني او تزيدني فان كان عنده شيء يقضيه قضى والا حوله الى السن التي فوق ذلك ان كانت ابنة مخاض يجعلها ابنة لبون في السنة الثانية ثم حقة ثم جذعة ثم رباعيا ثم هكذا الى فوق وفي العين ياتيه فان لم يكن عنده اضعفه في العام القابل فان لم يكن عنده اضعفه

جاہلیت میں سودی کاروبار مال میں زیادتی اور جانوروں کے سن میں زیادتی کی صورت میں کیا جاتا تھا ان میں کا کوئی قرض خواہ مدیون کے پاس مدت پوری ہونے پر آتا قرض ادا کرتے ہو یا مال میں اضافہ کرتے ہو اگر اس کے پاس ادا کرنے کو کچھ ہوتا تو ادا کرتا ورنہ جانور کا سن بڑھا دیتا مثلاً اگر بنت مخاض باقی ہو تو دوسرے سال اس کو بنت لبون کر دیتا پھر حقہ پھر جذعہ پھر رباعی اور اسی طرح — اگر قرض رقم کی صورت میں ہوتا تو ہر سال زیادہ کرنے کی صورت میں وہ رقم بڑھتی جاتی۔ سو کی رقم دو سو اور دو سو کی رقم چار سو ہر سال وہ رقم بڑھتا جاتا یا ادا کرتا ....

ایضا فیاتون به فیجعلها الی قابل ثمانین فان لم یکن عنده جعله اربعمائة یضعفها له کل سنة او یقضیه .... (تفسیر ابن جریر ج ۳)

ابن جریر نے جاہلیت کے سود کے متعلق یہ بیان ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس روایت سے واضح ہوا کہ جاہلیت میں سود کا معاملہ قرض کے مال پر، چاہے وہ رقم ہو یا جانور، اضافے کی صورت میں کیا جاتا تھا قرض کی صورت کے علاوہ اس وقت عرب کسی اور طرح کے سود سے واقف تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن نے اسی ربا جاہلیت یعنی ربا نسیئہ کو حرام کیا ہے۔

وسئل الامام احمد عن الربا الذی لا یشک فیه فقال هو ان یکون له دین فیقول له اتقضی ام تربی فان لم یقضه زاده فی المال وزاده هذا فی الاجل (تفسیر شیخ محمد عبده، ج ۳)

امام احمد سے ایسے سود کے بارے میں پوچھا گیا جس میں شک نہ ہو تو انھوں نے جواب دیا، یہ صورت کہ قرض خواہ مدیون سے کہتا، تو قرض ادا کرتا ہے یا بڑھاتا ہے اگر وہ ادا نہ کرتا تو قرض دار مال میں زیادتی کر دیتا اور قرض خواہ مدت ادا میں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ غیر مشترک اور یقینی سود ربا نسیئہ ہی ہے۔

والربا الذی کانت العرب تعرفه وتفعله انما کان قرض الدراهم والدنانیر الی اجل بزیادة علی مقدار ما استقرض علی ما یتراضون به ولم یکونوا یعرفون البیع بالنقد اذا کان متفاضلا من جنس واحد هذا کان المتعارف المشهور عندهم .... (احکام القرآن جصاص ج ۱)

وہ سود جسے عرب جانتے اور کرتے تھے درہم و دینار کا قرض ہوتا تھا ایک مقررہ مدت کے لیے قرض کی مقدار پر اضافہ کر کے، طرفین جتنے پر راضی ہو جائیں، عرب بیع نقد سے واقف نہ تھے اس طرح کہ وہ جنس واحد سے ہو اور متفاضل ہو، یہی ان کے نزدیک مشہور و متعارف تھا ....

ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ ربا جاہلیت کیا ہے اور عرب

کس طرح سے سودی کاروبار کرتے تھے۔

مالک عن زید بن اسلم انہ قال کان الربا فی الجاھلیۃ ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل فاذا حل الاجل قال اتقضی ام تربی فاذا قضی اخذ والا زادہ فی حقہ واخر عنہ فی الاجل (موطا امام مالک)

مالک نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے انھوں نے کہا جاہلیت میں ربا یہ تھا کہ کسی کا کسی پر مقررمدت تک کے لیے دین ہوتا جب وہ مدت پوری ہوتی وہ کہتا، تو ادا کرتا ہے یا بڑھاتا ہے اگر مدیون قرض ادا کردیتا تو لے لیتا ورنہ اپنے دین میں اضافہ کردیتا اور مدت ادا بڑھا دیتا۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جاہلیت عرب میں سودی کاروبار کی نوعیت وہی تھی جو آج ہندوستان میں مہاجنی کاروبار کی ہے۔ یعنی قرض اور دین پر سود بڑھا بڑھا کر مخلوق خدا کو لوٹنا اور تباہ کرنا یہی وہ سود ہے جس کو قرآن کریم نے پوری شدت کے ساتھ روکا ہے۔ یہی وہ سود ہے جو دنیا کے لیے بدترین معاشی لعنت تھا اور ہے، اسی نے لاکھوں گھرانے اجاڑے اور ہزاروں گھرانوں کو تباہ و برباد کیا اور یہی وہ لعنت ہے جس کے جال میں جنس کر آج بھی دنیا کے کروروں محتاج و مفلس پڑے کراہ رہے ہیں، انسانیت اس ظلم سے چیخ رہی ہے لیکن کوئی نہیں جو اس کی پکار سنے اور اس کے زخموں کا مداوا کرے ——— اس سود کے علاوہ سود کی ایک اور قسم بھی ہے جو نوع انسانی کے لیے حرام کی گئی ہے اور وہ ہے ربا الفضل۔ سود کی اس قسم کو شارع اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔ ربا الفضل یہ ہے کہ مکیل وموزون یعنی ناپ تول والی اشیا کی ایک جنس کو تفاضل کے ساتھ بیچا جائے مثلاً گیہوں کو گیہوں کے ساتھ زیادتی کے ساتھ بیچا جائے یا سونا کو سونے کے ساتھ زیادتی کے ساتھ بیچا جائے۔ ایک جنس کی زیادتی بھی حرام ہے، اس کی حرمت صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس کی تفصیل آگے مسئلہ سود اور احادیث نبوی کے باب میں آتی ہے۔

ولا خلاف ان ھذا الربا الذی حرمہ اللہ تعالیٰ ولم تعرف العرب الربا الا فی النسیئۃ منزل القرآن و زادہ

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہی وہ سود ہے جس کو اللہ نے حرام کیا عرب دین کے سوا کسی دوسرے سود سے واقف نہ تھے لہٰذا قرآن نے اسی سود کو حرام کیا

صلی اللہ علیہ وسلم بیانا وحرم ربا الفضل (زرقانی علی موطا مالک)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے ربا الفضل کو بھی حرام کر دیا۔

زرقانی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ائمہ کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قرآن کریم نے جس ربا کو حرام کیا ہے وہ ربا نسیئہ ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ امام ابوجعفر طحاوی ربا الفضل کی حرمت و عدم حرمت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان ذلک الربا انما عنی به ربوا القرآن الذی کان اصله فی النسیئة وذلک ان الرجل کان یکون له علی صاحبه الدین فیقول له اجلنی منه الی کذا وکذا بکذا وکذا درهما ازیدک ها فی دینک فیکون مشتریا بالاجل بمال فنهاهم الله عزوجل بقوله یاایها الذین امنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مؤمنین ثم جاءت السنة بتحریم الربا فی التفاضل فی الذهب بالذهب والفضة بالفضة وسائر الاشیاء المکیلات والموزونات فکان ذلک ربوا حرم بالسنة (شرح معانی الآثار ج ۲)

اس ربا سے مراد ربا القرآن ہے جس کی اصل ادھار اور دین میں تھی اس کی صورت یہ تھی کہ کسی کا کسی پر دین ہوتا مدیون کہتا مجھے اتنے اتنے درہم کے بدلے اتنی اتنی مدت دے دے تو وہ مدت مقررہ کو مال کے بدلے میں خریدتا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس معاملے سے اپنے اس قول کے ذریعہ روک دیا یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ الخ پھر اس کے بعد سنت رسول نے اس ربا کو بھی حرام کر دیا جو سونا کو سونا اور چاندی کو چاندی کے ساتھ بہ تفاضل بیچنے سے لازم آتا ہے اسی طرح تمام مکیلات وموزونات میں بس یہ وہ ربا ہوا جو سنت کے ذریعہ حرام کیا گیا ہے۔

امام طحاوی کی اس عبارت سے دو باتیں بہ تصریح معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ربا قرآن اور ہے ربا حدیث اور ہے۔ ربا نسیئہ وہ ہے جسے قرآن نے حرام کیا اور ربا الفضل وہ ہے جسے حدیث نے حرام کیا۔ دوسری بات یہ کہ ربا جاہلیت پر آخری ضرب جس نے لگائی اور جس نے اس کو قانونی جرم بنایا وہ آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ہے جو فتح

مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

ربا النسیئہ اور ربا الفضل کی اتنی تفصیل راقم نے اس غرض سے کی ہے کہ دونوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لیا جائے کیونکہ ان دونوں کی حرمت کو ایک سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔

تجارت اور سود کا اصولی فرق اس سلسلہ میں اختصار کے ساتھ اس کا ذکر بھی مناسب ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ ہیں جن کی بنا پر تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ منافع اور زیادتی دونوں میں ہوتی ہے۔ علماء، فقہاء اور مفسرین رحمہم اللہ نے ان دونوں کے فرق پر بہت کچھ لکھا ہے۔ یہاں نہ اس کا استقصا مقصود ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے اس لیے راقم یہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی نے تفہیم القرآن میں جو کچھ لکھا ہے اس کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں کیونکہ وہ مختصر اور جامع ہے:

"تجارت اور سود کا اصولی فرق جس کی بنا پر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہو سکتی یہ ہے:

(۱) تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جو اس نے بائع سے خریدی ہے اور بائع اپنی اس محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے جس کو اس نے مشتری کے لیے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے۔ بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقررہ مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے بالیقین نفع بخش ہے لیکن اس کے مقابلہ میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں۔ اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لیے قطعی نافع نہیں ہے اور اگر وہ تجارت یا زراعت یا صنعت و حرفت میں لگانے کے لیے لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ پس سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے یا ایک کے یقینی اور متعین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدے پر۔

(۲) تجارت میں بائع مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد منافع لے بہرحال وہ جو کچھ لیتا ہے ایک ہی بار

لیتا ہے لیکن سود کے معاملہ میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو، بہرحال اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا مگر دائن اس فائدہ کے بدلے میں جو نفع اٹھاتا ہے اس کے لیے کوئی حد نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی اس کے تمام وسائل معیشت حتیٰ کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہضم کر لے اور پھر بھی اس کا مطالبہ باقی رہ جائے۔

(۳) تجارت میں شے اور اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس دینی نہیں ہوتی، مکان یا زمین یا سامان کے کرایہ میں اصل شے جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے صرف نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے اور بجنسہ کرایہ دار کو واپس دیدی جاتی ہے لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار سرمایہ کو صرف کر چکتا ہے اور پھر اس کو وہ صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے اضافہ کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے۔

(۴) تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان محنت، ذہانت اور وقت صرف کر کے اس کا فائدہ لیتا ہے مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زیادہ مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے اس کی حیثیت اصطلاحی "شریک" کی نہیں ہوتی جو نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلا لحاظ نفع و نقصان اور بلا لحاظ تناسب نفع اپنے طے شدہ منافع کا دعویدار ہوتا ہے۔

ان وجوہ سے تجارت کی معاشی حیثیت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الشان فرق ہو جاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنیوالی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود اس کی تخریب کرنے کا موجب بنتا ہے۔ پھر اخلاقی حیثیت سے یہ سود کی عین فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے اور ہمدردی و امداد باہمی کی روح کو فنا کر دیتا ہے اس بنا پر سود معاشی اور اخلاقی

دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔" (ترجمان القرآن ماہ شعبان ۱۳۵۲ھ)

مسئلہ سود اور احادیث نبوی | قرآن مجید میں حرمت سود کی جو تفصیلات بہ تدریج نازل ہوئی ہیں ان سے ہمیں یہ علم و یقین حاصل ہو چکا ہے کہ اس کی حرمت بالکل مطلق اور غیر مشروط ہے اس میں نہ تو دار الاسلام کی کوئی قید ہے اور نہ مال معصوم کی کوئی شرط بلکہ ہر جگہ اور ہر دو انسانوں کے درمیان یہ معاملہ حرام ہے۔ سود کا تحقق جس طرح مسلمان کے مال میں ہوتا ہے اسی طرح کافر حربی کے مال میں بھی ہوتا ہے۔ اب ہمیں یہاں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ شارع اسلام مہبط وحی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کہیں کوئی قید یا شرط پائی جاتی ہے یا نہیں؟

احادیث نبوی کا جو وسیع سرمایہ اس وقت موجود ہے اس میں کہیں بھی کوئی قید یا کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔ جس طرح قرآن میں حرمت ربا کا حکم مطلق ہے اسی طرح احادیث نبوی میں بھی مطلق ہے جس طرح قرآن مجید میں حقیقت ربا کے تحقق کے لیے مال معصوم کی شرط نہیں اسی طرح احادیث نبوی میں بھی کوئی ایسی شرط نہیں۔

احادیث نبوی میں چند احادیث وہ ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قرآن نے کونسا سود حرام کیا ہے اور دوسری وہ ہیں جن میں ربا الفضل کو حرام کیا گیا ہے۔ ربا القرآن کی تشریح اس طرح فرمائی گئی ہے۔

لا ربوا الا فی النسیئۃ	ربا نہیں ہے مگر نسیئہ میں
انما الربوا فی النسیئۃ	بجز نسیئہ ربا نہیں
لا ربوا الا فی الدین	ربا نہیں مگر دین میں

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سداً للذریعہ ربا کی وہ قسم بھی حرام قرار دی جس کو ہم ربا الفضل کہتے ہیں۔ تحریم ربا الفضل سے متعلق چند حدیثیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

عن عبادۃ بن الصامت قال	عبادہ بن صامتؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذہب	فرمایا سونا کو سونا سے چاندی کو چاندی سے گیہوں کو گیہوں
بالذہب والفضۃ بالفضۃ والبر	سے جو کو جو سے کھجور کو کھجور سے اور نمک کو نمک سے
بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر	برابر دست بدست بیچو اور جب یہ قسمیں آپس میں مختلف
والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء	ہوں تو دست بدست جس طرح چاہو بیچو۔۔ ۔ ۔ ۔

یداً بید فاذا اختلفت هذه الاصناف ....

فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید (مسلم شریف) ....

یہ اور تقریباً انھیں الفاظ کی چند دوسری حدیثیں تمام ائمۂ فقہ و حدیث کے نزدیک ان مسائل ربا کے لیے جو احادیث سے ثابت ہیں اصل الاصول کا حکم رکھتی ہیں۔ انہی احادیث سے انھوں نے ربا کی تعریف اخذ کی ہے اور بیسیوں مسائل استنباط کر کے سود کا ایک طویل باب کتاب البیوع میں الگ مرتب کیا ہے۔ یہاں مجھے نہ ان مسائل کی تفصیل کرنی ہے اور نہ ائمۂ فقہ کے اختلافات بتانا مقصود ہے۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ شارع اسلام نے بطور اصل چھ چیزوں کو شمار کر کے یہ حکم دیا کہ ان میں ہر ایک کو اگر اس کی جنس کے ساتھ بیچا جائے تو اس کو برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے اور اگر ان میں سے ہر ایک کو اس کی جنس کے ساتھ نہ بیچا جائے بلکہ غیر جنس کے ساتھ بیچا جائے مثلاً سونا کو چاندی سے یا گیہوں کو کھجور سے بیچا جائے تو ان کو زیادتی، کمی کے ساتھ بیچنا حلال ہے صرف شرط یہ ہے کہ دست بدست یعنی نقد ہو ادھار نہ ہو۔ انھیں اشیائے ستہ اور ان پر قیاس کردہ اشیا کو تفاضل کے ساتھ بیچنا ربا الفضل ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبیعوا الذهب بالذهب الا سواء بسواء والفضة بالفضة الا سواء بسواء وبیعوا الذهب بالفضة والفضة بالذهب کیف شئتم (بخاری شریف کتاب البیوع) ....

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا کو سونا کے بدلے میں اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں نہ بیچو مگر برابر برابر اور سونا کو چاندی کے بدلے میں اور چاندی کو سونا کے عوض میں بیچو جیسے چاہو۔ ....

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونا کو سونا اور چاندی کو چاندی کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا ناجائز ہے اور عدم جواز کا یہ حکم بالکل مطلق اور غیر مشروط ہے۔ لاتبیعوا اور بیعوا کا مخاطب ہر مسلمان ہے چاہے وہ دارالاسلام میں ہو یا دارالکفر میں اور چاہے وہ کسی مسلم و مستامن سے خرید و فروخت کرے یا کسی کافر حربی سے۔

عن عثمان بن عفان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین (مسلم شریف باب الربا)

عثمان بن عفان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ بیچو۔

امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث سے طلائی و نقرئی سکوں کی بیع و فروخت کا حکم بھی معلوم ہوگیا اور بہ تصریح یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی مسلمان کے لیے کہیں بھی اور کسی سے بھی ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں بیچنا ناجائز ہے اور اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان یا مستامن یا کافر حربی سے ایک دینار کے بدلے میں دو دینار اور ایک درہم کے بدلے میں دو درہم وصول کرے گا تو وہ اس صریح اور مطلق حکم کی مخالفت کا مجرم ہوگا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب وزنا بوزن مثلا بمثل والفضۃ بالفضۃ وزنا بوزن مثلا بمثل فمن زاد واستزاد فھو ربا (مسلم شریف)

ابو ہریرہ سے مروی ہے انھوں کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، سونے کے بدلے میں تول کر برابر برابر اور چاندی چاندی کے بدلے میں تول کر برابر برابر پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو وہ سود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مرفوع اس قدر صاف اور صریح ہے کہ اس مسئلہ کی تمام الجھنوں کو حل اور تمام شبہات کو دور کردیتی ہے۔ مَن کا لفظ اور اس کے تحت مسلمانوں کا ہر فرد بلکہ انسانوں کا ہر فرد داخل ہے چاہے وہ روئے زمین کے جس حصے میں زندگی بسر کر رہا ہو۔ اس حدیث سے بلاریب یہ حکم عام معلوم ہوتا ہے کہ سونا کے بدلے میں زیادہ سونا لینا دینا اور چاندی کے بدلے میں زیادہ چاندی لینا دینا سود ہے چاہے یہ لین دین دو مسلمانوں کے درمیان ہو یا مسلم حربی کے درمیان۔ سود کے تحقق کے لیے نہ تو مال معصوم کی کوئی شرط ہے اور نہ اس کی حرمت کے لیے دارالاسلام کی قید۔ متعاقدین چاہے مسلمان ہوں یا مستامن یا معاہد یا مسلم حربی بہرنوع یہ زیادتی سود ہوگی۔

مسئلہ سود اور آثار صحابہ قرآن کریم اور احادیث نبوی سے یہ معلوم ہوچکا کہ سود ہر مسلمان پر حرام ہے چاہے وہ کہیں ہو۔ حرمت ربا بالکل مطلق اور غیر مشروط ہے نہ تو اس کی حرمت کے لیے کسی جگہ کی قید ہے اور نہ اس کی

حقیقت کے تحقق کے لئے ربائے منصوص کی شرط۔ اب یہاں یہ دیکھ لینا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سود کے متعلق کیا آثار مروی ہیں۔ آیا کہیں صحابہ کے آثار میں کوئی قید یا کوئی شرط پائی جاتی ہے یا نہیں؟

عن مجاهد المكي ان صائغا سأل عبد الله بن عمر اني اصوغ ثم ابيع الشئ من ذلك باكثر من وزنه فاستفضل من ذلك قدر عملي فنهاه عبد الله بن عمر عن ذلك فجعل الصائغ يرد عليه المسألة ويأباه عليه عبد الله بن عمر حتى انتهى الى دابته او الى باب المسجد فقال له عبد الله الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لا فضل بينهما هذا عهد نبينا الينا وعهدنا اليكم (شرح معاني الآثار)

مجاہد مکی سے مروی ہے کہ ایک سنار نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے پوچھا کہ میں سناری کرتا ہوں اور پھر اس چیز کو اس سے زیادہ وزن کی چیز کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور بہ قدر اپنے کام کے اپنی چیز سے زیادہ وزن کی چیز لیتا ہوں تو عبد اللہ بن عمر نے اس کو منع کیا۔ وہ برابر اس مسئلہ کو دہراتا رہا اور حضرت ابن عمر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنی سواری تک یا مسجد کے دروازے تک پہنچا تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا ایک دینار کے بدلے میں ایک دینار اور ایک درہم کے بدلے میں ایک درہم ان کے درمیان زیادتی جائز نہیں اسی کی وصیت ہمارے نبی کی ہمارے لئے اور ہماری تمہارے لئے ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے بھی حرمت ربا کے حکم کو مطلق اور غیر مشروط ہی سمجھا تھا عهد الینا اور عهدنا الیکم کے الفاظ بتا رہے ہیں اموال ربویہ میں تفاضل ہمیشہ اور ہر جگہ ناجائز ہے۔ عہد رسالت سے لے کر عہد صحابہ تک اس کے عدم جواز ہی کی وصیت ہوتی آئی ہے اگر اس کے جواز کا کوئی موقع ہوتا تو ناممکن تھا کہ عہد رسالت سے عہد صحابہ تک کہیں اس کا بیان نہ ہو

قال سمعت ابن عمر يقول خطب عمر فقال لا يشتري احدكم دينارا بدينارين ولا درهما بدرهمين ولا قفيزا بقفيزين اني اخشى عليكم الربا واني لا اوتى باحد فعله الا اوجعته عقوبة في نفسه وماله (ايضاً)

راوی نے کہا میں نے ابن عمر سے کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر نے خطبے میں فرمایا تم میں کا کوئی ایک دینار کو دو دینار کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں اور ایک قفیز کو (ایک پیمانہ ہے) دو قفیز کے بدلے میں خرید و فروخت نہ کرے میں ڈرتا ہوں کہ تم سود میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اگر میرے پاس اس کا مرتکب لایا گیا تو میں اس کو جانی و مالی سزا دوں گا۔

صحابۂ کرام کے آثار کا استقصا مقصود نہیں ہے۔ ان دو آثار کے بعد راقم دو ایسے آثار پیش کرتا ہے جو اس بات کے لیے قول فیصل ہیں کہ حرمت ربا کا حکم بالکل مطلق اور غیر مشروط ہے اور دار الحرب میں بسنے والے حربیوں سے بھی اموال ربویہ کو تفاضل کے ساتھ بیچنا حرام ہے۔

علی بن رباح اللخمی قال کنا فی غزاۃ مع فضالۃ بن عبید فسألناہ عن بیع الذہب بالذہب فقال مثلاً بمثل لیس بینہما فضل (ایضاً)	علی بن رباح لخمی نے کہا کہ ہم ایک غزوے میں فضالہ بن عبید کے ساتھ تھے میں نے ان سے سونے کو سونے کے بدلے میں بیچنے کا مسئلہ پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ برابر برابر ان دونوں کے درمیان زیادتی جائز نہیں۔

دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ یہ سوال و جواب ایک غزوے کا ہے جب کہ فوجیوں کا تعلق دار الحرب اور حربیوں سے ہوتا ہے اگر اہل حرب سے تفاضل کے ساتھ بیچنا جائز ہوتا تو ناممکن تھا کہ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ اس کا بیان نہ فرماتے اس موقع پر ان کا یہ جواب صاف بتا رہا ہے کہ تفاضل کہیں اور کسی سے جائز نہیں۔

عن ابی قیس مولی عمرو بن العاص قال کتب ابوبکر الصدیق الی امراء الاجناد حین قدموا الشام امابعد فانکم قد ھبطتم ارض الربا فلا تتبایعون الذہب بالذہب الا وزنا بوزن ولا الورق بالورق الا وزنا بوزن ولا الطعام الا کیلاً بکیل قال ابوقیس قرات کتابہ (شرح معانی الآثار ج ۲)	ابوقیس مولی عمرو بن العاص سے مروی ہے انھوں نے کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کو اس وقت لکھا جب وہ شام پہنچے تم لوگ سودی کاروبار کے ملک میں اترے ہو پس سونے کو سونے سے نہ بیچو مگر تول میں برابر برابر اور چاندی کو چاندی سے نہ بیچو مگر تول میں برابر برابر اور کھانے کو کھانے سے نہ بیچو مگر ناپ میں برابر برابر ابوقیس نے کہا کہ میں نے یہ فرمان دیکھا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو دیکھنے کے بعد کوئی کس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ حربی سے ایک درہم کو دو درہم کے بدلے میں بیچنا جائز ہے۔ فرمان امرائے لشکر کو حربیوں ہی کے ساتھ بیچنے کی روک تھام کے لیے بھیجا گیا تھا اور دار الحرب میں بھیجا گیا تھا انکم قد ھبطتم ارض الربا کے الفاظ اس کی تصریح کر رہے ہیں۔ قرآن کریم، احادیث نبوی اور آثار صحابہ سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ حرمت ربا کا حکم بالکل مطلق اور غیر مشروط ہے۔

سود خواروں کے متعلق چند حدیثیں

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس عذاب کی دھمکی دی ہے اور سود نہ چھوڑنے والے مسلمانوں کو جس وبال کی وعید سنائی ہے اس کا حال گزر چکا اب یہاں چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

قال ولعن أكل الربوا وموكله (بخاری)

راوی نے کہا اور لعنت کی رسول اللہ صلعم نے سود کھانے اور کھلانے والے پر

عن جابر قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء - (مسلم شریف)

حضرت جابر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا ہے کہ وہ سب برابر ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا جو شخص مستحق ٹھیرے اس سے زیادہ بدنصیب اور کون ہوگا، رحمت عالم و عالمیاں جس پر لعنت بھیجیں، رحمت الٰہی سے اس کی دوری کی کوئی حد بھی ہے

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم رايت الليلة رجلين اتياني فاخرجاني الى ارض مقدسة فانطلقنا حتى اتينا على نهر من دم رجل قايم على وسط النهر رجل بين يديه حجارة فاقبل الرجل الذي في النهر فاراد ان يخرج رمى الرجل بحجر في فيه فرده حيث كان فجعل كلما جاء ليخرج رمى في فيه فيرجع كما كان فعلت ما هذا فقال الذي رايته في النهر أكل الربوا (بخاری کتاب البیوع)

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے رات دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارض مقدس کی طرف لے گئے ہم چلتے رہے یہاں تک کہ خون کی ایک نہر پر پہنچے اس میں ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے کنارے ایک شخص کے سامنے پتھر رکھے ہوئے تھے نہر والا آدمی سامنے آیا اور چاہا کہ نہر سے باہر نکلے پتھر والے شخص نے اس کے منہ پر پتھر مارا اور اسے وہیں لوٹا دیا جہاں پہلے تھا پھر جب جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا وہ اس کے منہ پر پتھر مارتا اور وہ وہیں لوٹ جاتا جہاں تھا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے تو جواب ملا تم نے جس آدمی کو نہر میں دیکھا ہے وہ سود خوار ہے۔

سود خوار کے اس عذاب میں اس کے اعمال کے ساتھ کتنی مناسبت ہے، سود خوار دنیا میں

ایک بڑی جونک ہے جو غریبوں کے بدن سے ان کی گاڑھی کمائی کا خون چوس چوس کر موٹی ہوتی ہے۔ آخرت میں بھی خون اس کے عذاب کا ذریعہ ہوگا اور جس منہ سے اس نے خون چوسا تھا اس پر پتھر برسیں گے اور اس کو مقام عذاب کی طرف لوٹاتے رہیں گے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

(باقی)

فہرست مطبوعات مکتبہ جماعت اسلامی

رسالہ دینیات ۔۔۔۔۔۔۔۔	عمر	اسلام اور ضبط ولادت ۔۔۔۔۔۔۔۔	۱۲؍
خطبات (مطبوعہ تاج کمپنی) ۔۔۔۔۔	عہ / ۹؍	رسالہ دینیات (انگریزی) ۔۔۔۔۔۔	۸؍
سیاسی کشمکش (حصہ سوئم) ۔۔۔۔۔	عہ	اسلام کیا ہے؟ (" ") ۔۔۔۔۔۔	۴؍
تنقیحات ۔۔۔۔۔۔	عہ	الحاد کے بعد کیا؟ (" ") ۔۔۔۔۔۔	۱۲؍
مسئلہ قومیت ۔۔۔۔۔۔	عمر	معاشی مسئلہ ۔۔۔۔۔۔	۶؍
مسئلہ جبر و قدر ۔۔۔۔۔۔	عہ	اسلام اور جاہلیت ۔۔۔۔۔۔	۴؍
تجدید و احیائے دین ۔۔۔۔۔۔	عہ	نیا نظام تعلیم ۔۔۔۔۔۔	۴؍
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ۔۔۔۔۔	عمر	اخلاقی نقطہ نظر ۔۔۔۔۔۔	۴؍
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر ۔۔۔۔۔	عہ	دین حق ۔۔۔۔۔۔	۴؍
روداد جماعت اسلامی (حصہ اول) ۔۔۔۔	۱۰؍	نشان راہ ۔۔۔۔۔۔	۶؍
" " (حصہ دوم) ۔۔۔۔	۹؍	دستور جماعت اسلامی ۔۔۔۔۔۔	۲؍
" " (حصہ سوم) ۔۔۔۔	عہ	اہم استفسار ۔۔۔۔۔۔	۲؍

دیگر اداروں کی کتابیں

افکار سندھی پر ایک نظر (از مولانا مسعود عالم صاحب)	عہ	حقیقت نماز (از مولانا امین احسن صاحب)	۸؍	نظام اطاعت کی تین کڑیاں	۲؍
ہندوستان کی تبلیغی اسلامی تحریک (" ")	عہ	حقیقت شرک (" ")	عہ	تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	۶؍
سیرت محمد بن عبد الوہاب (" ")	عہ	مسلمان کیا کریں ۔۔۔۔۔۔	۸؍		
حقیقت جمہوریت (از مولانا صدر الدین صاحب)	عہ	بنیادی عقیدہ ۔۔۔۔۔۔	۲؍	خطبہ تقسیم اسناد	۲؍

رسائل و مسائل

بنکوں کا سود

سوال: بنک کے سود لینے نہ لینے کا مسئلہ مدت سے متنازعہ فیہ ہے۔ وقت کے تقاضوں سے خود علماء نے اس مسئلہ کو چھیڑا مگر اس کا کوئی حتمی تصفیہ نہ کر سکے۔ شائد کسی قدر اتفاق اس باب میں تو ہو بھی گیا ہے کہ بنکوں سے سود بہر حال ضرور لینا چاہیے، کیونکہ اگر وہیں چھوڑ دیا جائے تو اسے یا تو عیسائی مشنری ادارے باطل کی تبلیغ کے لیے لے لیتے ہیں، یا اگر غیر سرکاری سودی اداروں کے پاس رہ جائے تو وہ اسے سود کے حرام کاروبار کو مزید پھیلانے ہی میں استعمال کرتے ہیں۔ گویا سود کی رقم کا بنکوں سے لے لینا ایسا ہی ہے جیسے کہ ڈاکوؤں کے اسلحہ خانہ میں سے چند تیروں کا نکال لانا جو اگر وہیں رہیں تو چند اور جانیں شکار کرنے کے کام آ سکتے ہیں۔ مگر سود کی رقم کے استعمال میں بڑا اہم اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے میں مناسب یہ ہے کہ اسے بالکل تلف کر دینا چاہیے، اور بعض کا فتویٰ یہ ہے کہ اسے غرباء کو دے دینا چاہیے، کیونکہ دراصل یہ انھیں کی رگوں سے نچوڑا ہوا پسینہ ہوتا ہے!

اب آپ اس مسئلہ میں تصفیہ فرمائیں کہ صحیح طریق کار کیا ہے!

جواب: سود کے روپے کو ضائع کرنا یا غرباء کو دینا کوئی صحیح رویہ نہیں ہے۔ حقیقی سوال تو یہ ہے کہ سود کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟ اور جب یہ بالتصریح منع ہے تو آپ کو یہ حق کیسے حاصل ہو گیا کہ آپ کسی شخص یا ادارے سے سود کی رقم وصول کریں۔ اس معاملہ میں یہ عذر پیش کرنا کہ ہمارا سود کا، وہ اگر سودی ادارے کے پاس رہا تو وہ اسے اپنے حرام اور ظالمانہ کاروبار کو تقویت دینے کے لیے استعمال کرے گا یا اس سے کسی اور باطل ادارے کو تقویت پہنچے گی، کچھ بھی وزن نہیں رکھتا۔ اسی طرز فکر نے وہ تمام فقہی حیلے ایجاد کیے ہیں جن کے ذریعے دار الحرب اور دار الکفر میں سود لینے کے دروازے کھولے گئے ہیں اور پھر جن لوگوں نے ان خطوط پر مزید جسارت کے ساتھ

اقدام کیا ہے انھوں نے فی الجملہ بنکوں کے سود کو حلال وطیب بنا کر چھوڑا ہے۔

اس سلسلہ میں دو اہم نکات آپ کے سامنے ہونے چاہئیں۔ ایک یہ کہ پورے نظامِ دینی میں مرکزی قدر اخلاق کی اور طہارتِ نفس کی ہے اور اس خزانے کی کوئی رمق دے کر اگر آپ نظامِ اسلامی یا تحریکِ اسلامی کو روپیہ کے انبار بھی لا دیں اور مادی قوت کے ذخائر کے ذخائر فراہم کردیں تو بھی اس عمل کی کوئی جزا اللہ کے ہاں نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس باطل کے خزانے سے چند سکے نکال لینے اور اس کے اسلحہ خانہ سے چند تیر اور چند تلواریں اڑا لانے کے لیے آپ کو متاعِ ایمان و اخلاق کا تھوڑا سا زیاں بھی گوارا ہو تو اسلام کی نگاہ میں یہ سودا خسارے کا سودا ہے۔ آپ کے نظریہ کی رو سے اسلام کو طاقت بہم پہنچانے اور باطل کو شکست دینے کے لیے مضبوط ایمان اور مستقل اخلاق ہی واحد وسائل کار ہیں۔ باقی ساری مادی قوتیں انھیں کے برگ و بار اور انھیں کے زیر اثر ہیں۔

اسی اصول کے ماتحت اگر آپ غور کریں تو بات صاف ہو جائے گی کہ بلاشبہ آپ ایک سودی ادارہ سے اپنے سرمایہ کے سود کے چند سکے وصول کر کے اسے ان سے محروم کر دیں گے۔ مگر اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی تو ہے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب نے جس سود کو حرام کیا تھا اور جسے اپنی ہتھیلی پر لینے اور اپنی جیب میں ڈالنے سے قطعاً روک دیا تھا، آپ نے اسے اپنے ذہن کی سوچی ہوئی ایک مصلحت سے لیا اور پھر جس مصرف پر چاہا اپنے اختیار سے صرف کیا یا اگر ضائع کر دیا تو ایک اور فضول حرکت کی۔ کیا اس سے خود آپ کے ایمان و اخلاق کو اس سے کئی گنا زیادہ نقصان نہ پہنچے گا، جتنا آپ نے باطل کے ایک ادارہ کو مادی پہلو سے پہنچانے کی سعی کی؟ باطل ادارہ کو آپ نے جتنی قوت سے محروم کرنے کی کوشش کی، اس سے زیادہ خود آپ اس عظیم الشان قوت سے محروم نہیں ہوئے جو خدا اور رسول کی اطاعت سے حاصل ہو سکتی تھی؟ پھر باطل کے پاس دولت کے لاکھوں معدن، قوت کے لاکھوں سرچشمے اور کام کرنے کے لاکھوں ذرائع ہیں اور وہ اپنے زیرِ اقتدار انسانوں کی پوری قوتوں سے من مانے استفادے کر سکتا ہے اور اپنے سارے خسارے خود آپ ہی سے پورا کر سکتا ہے۔ مگر آپ کے پاس تو ایک ہی خزانہ دل کا خزانہ ہے اور ایک ہی دولت ایمان کی دولت ہے اور ایک ہی وسیلہ اخلاق کا وسیلہ ہے، اگر اس کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ کہاں سے پورا ہوگا اور اس میں کوئی کمی آئی تو اسے کہاں سے غذا لا کے دو گے؟

دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ مسلمان کی مبلغانہ حیثیت ہر قطعۂ زمین پر اور ہر دور زماں میں اس کے ساتھ بالکل چپکی ہوئی ہے اور اسلامی زندگی کا کوئی تصور ایسا نہیں باندھا جا سکتا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خالی ہو، خصوصیت سے جب کفر و باطل کا غلبہ ہو اور طاغوت کا اقتدار مسلمانوں پر مسلط ہو تو پھر تو انھیں ہمہ تن تبلیغ و تذکیر ہونا چاہیے! ان کا کام یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے ہر طبقہ اور ہر گروہ اور ہر ادارے اور ہر نظم و انضباط کے سامنے آ آ کر احقاق حق اور ابطال باطل کریں۔ اور ہر نیکی کو زبان سے بھی نیک کہیں اور عمل سے بھی اس کا مظاہرہ کریں اور ہر بدی کو زبان سے بھی بدی کہیں اور عملاً اس سے اجتناب کر کے بھی اس کا بدی ہونا واضح کریں —— اس طرح سوسائٹی کے مختلف عناصر اور اس کے مختلف اداروں کے روبرو اسلام کا فکری اور عملی مظاہرہ کیے بغیر وہ اتمام حجت ہو ہی نہیں سکتا جو اقامت دین کے لیے ناگزیر ہے۔ ہر داعیٔ حق جماعت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی کے طبقۂ خواص کی غلطیوں کو بھی غلطیاں کہے اور خود ان سے اجتناب کرے، اسی طرح طبقۂ عوام کو بھی ان کی گمراہیوں سے آگاہ کرے اور خود ان گمراہیوں سے بچے، سرمایہ داروں کو بھی ان کی اخلاقی آلودگیوں پر متنبہ کرے اور محنت پیشہ طبقہ کو بھی اور خود ان آلودگیوں سے بچے۔ مذہبی طبقہ کی کوتاہ کاریوں کو بھی نمایاں کرے اور دنیا داروں کے گروہ کی بد اعمالیوں پر بھی ان کو متنبہ کرے اور خود ان کے سامنے ٹھیٹھ اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرے۔ اسی طرح طاغوتی حکومت کے باطل ہونے پر فکری و علمی ذرائع سے بھی بحث کرے اور عملاً اس کے ساتھ تعاون کرنے سے پرہیز کر کے اپنے جداگانہ مسلک اسلامی پر نگاہوں کو توجہ دلائے، اس کی عدالتوں کو باطل کہے اور ان کی ججی اور وکالت بھی قبول نہ کرے اور ان کے سامنے استغاثے بھی نہ لے جائے، اس کی فوج کو باطل کی فوج کہے اور خود نہ اس میں شامل ہو اور نہ امداد دے، اس کی تعلیم گاہوں کو بھی باطل کی تعلیم گاہیں قرار دے اور خود نہ اس میں معلمی کرے نہ متعلمی! —— اسی طرح کسی طاغوتی سوسائٹی میں اگر شراب خانے قائم ہوں تو انھیں شیطانی مراکز کہے اور ان سے اجتناب کرے، اور رقص گاہیں موجود ہوں تو ان کو فساد کے گڑھ قرار دے اور اگر وہ پاس بھی ملتا ہو تو ان سے لذت اندوز نہ ہو۔ اسی طرح اگر سودی لین دین کرنے والا کوئی بنک پایا جائے تو وہ اسے ایک "معاشی سرطان" کی حیثیت دے اور نہ اس کا ملازم ہو نہ حصہ دار

نہ اس سے لین دین کرنے والا۔ اگر آپ اوپر کے سارے لوازم کو اقامت دین کی تحریک سے وابستہ پاتے ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ سود ہی کی حرمت کا آپ زبان اور عمل سے پورا پورا مظاہرہ پبلک اور بنک دونوں کے سامنے کرنے کو لازم نہ مانیں؟ کیا اور ہر ادارے کے سامنے اور اس کے کارکنوں کے سامنے دین کو بے نقاب کرنا کچھ زیادہ فرض ہے اور بنکوں اور ان کے کارکنوں ہی کا یہ حق دوسروں سے کچھ کم ہے کہ خدا کا دین اور نبی کی شریعت انہی کے سامنے اپنے پورے جمال کے ساتھ رونما نہ ہو؟ باطل کے اور سارے اداروں پر تو اتمام حجت کرنے کے لیے پورا زور صرف کیا جائے اور ایک بنک ہی کے ادارے کو اس کا موقع نہ دیا جائے کہ اسلام اس پر کما حقہٗ فاش ہو؟ آپ ایک داعی حق اور ایک مبلغ اسلام ہونے کی حیثیت سے جب بنک میں تشریف لے جاتے ہیں اور اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کراتے ہیں اور پھر اپنے ہاتھوں سے اس سے سود کی رقم وصول کرتے ہیں تو اس کے حصہ داروں اور ڈائرکٹروں سے لے کر اس کے خزانچیوں اور اس کے کلرکوں تک عمل کی زبان سے آپ یہ کہہ آتے ہیں کہ ہم سود اور سودی کاروبار اور سودی اداروں کو باطل نہیں قرار دیتے اور ان سے معاملہ کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور ہمارا تمھارا مسلک اس معاملہ میں ایک ہی ہے۔ پوری ہمت اور سرگرمی کے ساتھ سود کے شیطان کو تقویت دیتے رہو، تمھیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اب آپ لاکھ اسٹیج اور پریس سے اور اپنی ذاتی مجالس میں اس امر کا اعلان کرتے رہیں کہ سود حرام ہے اور ہم لوگ سودی نظام معاشیات کو تباہ کرنے اٹھے ہیں، اس کا اثر عوام پر ہو تو ہو، مگر خود ان بنکوں اور ان کے کارکنوں پر کب ہو سکتا ہے جس سے آپ خود سود لیتے ہیں اور جن کے پاس اپنا سرمایہ سودی اصول پر جمع کراتے ہیں۔ انھیں کیا معلوم کہ اس سود کو لینے میں آپ کی نقیہانہ نیت کیا ہے اور آپ کیسے کیسے نیک ارادوں کے ساتھ اسے وصول کیا کرتے ہیں۔ وہ تو سود لینے والے کی صرف اس نیت کو جانتے ہیں کہ یہ سود لینا چاہتا ہے!

پھر آپ یہ سود بنکوں سے لے کر اگر غربا میں تقسیم کریں گے تو ان سے بجز اس کے اور کیا کہیں گے کہ یہ سود کی رقم ہے اور یہ ہمارے لیے حرام ہے، لو ہم تمھیں دیتے ہیں، اور پھر اس کا اثر کیا عوام پر یہی نہیں رہے گا کہ سود بھی ایسی چیز ہے جسے مسلمان لے سکتا ہے؟

اس پہلو سے خوب اچھی طرح اگر غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ بنک سے سود لینے میں اور چاہے اصلاح کے فوائد حاصل ہوتے ہوں مگر مسلمان کی مبلغانہ حیثیت بہرحال مجروح ہوتی ہے اور ایمان و اخلاق کو ضرر پہنچتا ہے اور ... کے اداروں پر دین کی حقیقت فاش کرنے میں اور ان کے کارکنوں پر اور ان کے حامیوں پر اتمام حجت کرنے میں بہت شدید رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس نقصان کو کوئی بڑے سے بڑا فائدہ پورا نہیں کر سکتا! مومنین صالحین کے لیے لازم ہے کہ اپنے جن اصولوں کو وہ کسی سوسائٹی سے منوانا چاہتے ہیں ٹھیک انھیں کے مطابق وہ ہر شخص اور ہر ادارے سے اپنے معاملات کو سرانجام دیں اور اس طرح زبان اور عمل دونوں طاقتوں سے ہر اس باطل پر ضرب لگائیں جو سوسائٹی کے کسی بھی گوشہ میں پایا جائے۔ تاجر باطل کی منڈی پر ضرب لگائے، زمیندار باطل کی زمینداری پر ضرب لگائے۔ سرمایہ دار باطل کی دکان پر ضرب لگائے، مزدور باطل کے کارخانوں پر ضرب لگائے، عالم باطل کے علوم پر ضرب لگائے، مصنف باطل کے فن تحریر پر ضرب لگائے، اخبار نویس باطل صحافت پر ضرب لگائے، مقرر باطل کے اسٹیج پر ضرب لگائے، لیڈر باطل کی سیاست پر ضرب لگائے اور یوں سوسائٹی کے پورے ہنگامہ خانے میں حق و باطل کی ایسی کشمکش برپا ہو جو حق کے غلبہ پر ختم ہو! اس ساری کشمکش میں آخر بنک اور سود خواروں کے شیطانی ادارے ہی کیوں ایک طرف بچے رہ جائیں اور حق کی ضربوں سے انھیں ہی کیوں کوئی حصہ نہ ملے؟ صداقت کا کوئی تیر انھیں کی قسمت میں کیوں نہ ہو؟ یہی کیوں اپنے امن چین میں مگن رہ جائیں؟ انھیں کے لیے یہ بدنصیبی کیوں ہو کہ اللہ کے بندے انھیں زبان سے باطل کہنے پر اکتفا کریں اور عمل سے باطل کہنے پر تیار نہ ہوں؟ آخر آپ باطل کے دماغ اور اس کے دل اور جگر اور اس کے ہاتھ اور پاؤں کو تو نجس سمجھتے ہیں مگر بنک جو اس کے معدہ کی حیثیت رکھتا ہے ایک ... سارے بدن میں کیوں پاک قرار دیتے ہیں کہ وہ اپنے نگلے ہوئے نوالوں میں سے اگر کوئی لقمہ برضا و رغبت اگل دیتا ہے تو آپ لپک کے اسے اٹھا لیتے ہیں؟

یہ غلط فہمی ہے کہ بنک سے سود لینا اس کے ضعف کا ذریعہ ہے، یہ بنک کی تقویت کا ذریعہ ہے اور یہ ٹھیک تعاون ہے بنک کی ساری مشنری کے ساتھ! اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بنک جس اصل الاصول پر چلتا ہے سود لینے والا اس اصل الاصول کو تقویت دیتا ہے! بنک کے ادارے سے عدم تعاون کی راہ یہ ہے کہ

اس کے اصل الاصول کی من کل الوجوہ کی تردید کی جائے اور اس کے سارے سودی بزنس کو نہ تو زبان سے حق مانا جائے نہ عملاً اس سے کوئی رابطہ اور کوئی تعاون رکھا جائے! یہ بات ایسی ہی ہے جیسے یہ بات کہ حکومت باطل کا دشمن وہ نہیں ہے جو اصل الاصول کو مان کر اس کا پرزہ بنتا ہے اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک چلتے نظام کے اندر گھس کر اسے نقصان پہنچائے گا۔ بلکہ اس کا اصل دشمن وہ ہے جو نہ نظری طور پر اس کے اصول کو برحق مانتا ہے، نہ عملاً اس کے نظام میں کوئی حصہ لیتا ہے اور نہ اس کی طاقت میں کمی لانے کے زعم میں اس کی کرم فرمائیوں سے استفادہ کرتا ہے:

اسلام اور تلوار

سوال:- ترمذی کی روایت ہے کہ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (یعنی مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں)۔

یہ حدیث آیات قرآنی مثلاً "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" اور "مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" اور "وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ" سے متعارض معلوم ہوتی ہے۔ اس تعارض کو دور فرما دیجیے۔

جواب: انبیاء علیہم السلام جب قوم کی طرف بھیجے جاتے ہیں ان پر وہ پہلے پوری طرح اتمام حجت اور تبلیغ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہدایت و رہنمائی کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ سب کچھ یہ پورا کر دیتے ہیں۔ اس میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ اس کے بعد اگر کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ غیب کے پردے اٹھا دیے جائیں اور تمام حقائق کا برای العین مشاہدہ کرا دیا جائے لیکن اس طرح کا کشف حجاب اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے خلاف ہے جو اس دنیا میں جاری ہے۔ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل اور ارادہ کا امتحان کیا ہے اس وجہ سے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ لوگ عقل سے سمجھ کر ایمان لائیں نہ کہ آنکھوں سے دیکھ کر۔ اس مقصد کے لیے انبیاء کے ذریعہ سے اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے کہ عقل کو جس قدر مدد پہنچانی ضروری ہے وہ پہنچا دی جائے۔ چنانچہ جو شخص کسی قوم میں نبی بنا کر بھیجا جاتا ہے،

اپنی سیرت کے لحاظ سے ان کے اندر کا بہترین آدمی ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کے اوپر اعتماد کر سکیں۔ وہ ان کی زبان میں ان کو حق کی تبلیغ کرتا ہے تاکہ ہر شخص بے تکلف اس کی بات کو سمجھ سکے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھاتا ہے تاکہ لوگوں پر حقیقت واضح ہو جائے کہ اس حق پر عمل کرنا ممکن ہے نیز یہ کہ جو شخص دعوت دے رہا ہے کوئی مکر و فریب نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ جس بات کا داعی ہے اسی پر خود بھی عامل ہے۔ قوم کے اندر سے بہتوں کی اصلاح کر کے، اور ان کو راہ حق پر چلا کر نیکی اور راستبازی کی زندگی کا وہ عملی مظاہرہ بھی کر دیتے ہیں تاکہ ہر شخص دعوت حق کی حقیقت کو آنکھوں سے بھی دیکھ لے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی طلب پر انبیائے کرام معجزے بھی دکھاتے ہیں تاکہ اتمام حجت کی کوئی شکل باقی نہ رہ جائے۔ جس قوم کے اندر حضرات انبیائے کرام یہ سب کچھ کر چکتے ہیں اور اس کے باوجود لوگ اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے دو طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اگر اکثریت کفر پر اڑی رہ جاتی ہے اور صرف گنتی کے چند نفوس ایمان لاتے ہیں تو ایسی صورت میں خدا کی طرف سے کوئی عذاب آتا ہے جو اہل ایمان کو چھوڑ کر بقیہ پوری قوم کو تباہ کر دیتا ہے اور اگر ایمان لانے والوں کی تعداد کفر کرنے والوں کی تعداد کی طرح معتد بہ ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اہل کفر کے مقابل میں تلوار اٹھائیں اور طاقت کے زور سے ان کو حق کی اطاعت پر مجبور کریں۔

تلوار اٹھانے کا یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب تبلیغ اور اتمام حجت کا فرض جس حد تک ادا ہو سکتا ہے ادا ہو چکتا ہے۔ اس فرض کے ادا ہو جانے کے بعد اسلام تلوار اٹھانے کو بالکل جائز قرار دیتا ہے اس کو جبر نہیں تسلیم کرتا۔ اور غور کیجیے تو اس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ جس شخص پر حق کو پوری طرح واضح نہیں کیا گیا ہے بلاشبہ اس شخص کے سامنے اگر تلوار اور اسلام رکھ دیے جائیں اور اس سے مطالبہ کیا جائے کہ اسلام لا ورنہ تیرے لیے یہ تلوار ہے تو یہ اس پر جبر ہوگا لیکن جس شخص کے سامنے نبی نے اگر حق کو واضح کیا ہے اور اس کے باوجود بھی وہ ایمان نہیں لایا تو اب توضیح حق کی وہ کونسی صورت باقی رہ گئی ہے جو اس کے لیے اختیار کی جا سکتی ہے؟ اس وجہ سے خدا کا قانون ایسے لوگوں کو اتمام حجت کے بعد کوئی مہلت نہیں دیتا۔

لیکن یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ یہ معاملہ صرف ان لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جن کی طرف نبی کی

بعثت براہ راست ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جن کی طرف نبی کی بعثت بالواسطہ ہوتی ہے۔
ترمذی کی جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس کا تعلق خاص کر بنی اسمٰعیل سے ہے اور حدیث میں الناس کا لفظ انہی لوگوں کے لیے ہے جو کہ عام لوگوں کے لیے۔ بنی اسمٰعیل کے لئے بے شک یہی بات تھی کہ تبلیغ اور اتمام حجت کے بعد ان سے عام اعلان برأت ہوگیا اور ان کے لیے دو شکلیں باقی رہ گئیں یا تو اسلام قبول کریں، یا تلوار۔ ان کے سوا بقیہ قومیں مثلاً یہود، نصاریٰ، مجوس یا دوسری اقوام (جو آنحضرت کے زمانہ میں تھیں یا اب ہونگی) ان کی طرف آنحضرت صلعم کی بعثت آپ کی امت کے واسطہ سے تھی اور ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے لیے اسلام اور تلوار کے سوا ایک شکل جزیہ کی بھی تھی (اور وہ اب بھی باقی ہے) یعنی اسلامی حکومت کے اندر بحیثیت رعایا کے ان کو رہنے کی اجازت دی گئی۔ یہی طریقہ مسلمانوں نے ان اقوام کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اختیار کیا اور یہی طریقہ اب قیامت تک غیر مسلم قوموں کے ساتھ اسلامی حکومت اختیار کرے گی یعنی یا تو ان کو اہل کتاب قرار دے کر ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرے گی یا شبہ اہل کتاب قرار دے کر ان کے ساتھ شبہ اہل کتاب کا معاملہ کرے گی۔ اس کو یہ حق نہیں حاصل ہوگا کہ وہ کسی قوم کے سامنے تلوار اور اسلام رکھ دے اور ان سے ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا مطالبہ کرے۔ یہ چیز صرف منکرین بنی اسمٰعیل کے لیے تھی اور ان کا معاملہ ختم ہوگیا۔

ترمذی کی اس حدیث کی توضیح تھی جس کا جناب نے حوالہ دیا ہے (امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ الحدیث) باقی رہیں وہ آیات جن کا آپ نے ذکر فرمایا ہے تو ان میں سے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی مشیت اور قدرت کے زور سے دین کو ٹھونس دے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نبیوں کے ذریعہ سے لوگوں کے سامنے حق کو پیش کرتا ہے اور ان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ چاہے اپنی پسند سے کفر کو اختیار کریں یا ایمان کو اختیار کریں۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے ان دونوں چیزوں میں سے کسی چیز پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔

آیات وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ الآیۃ کا مطلب یہ ہے کہ نبی پر صرف تبلیغ اور دعوت کی ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کر دینے کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی گئی ہے اور قیامت کے دن منکروں کے

انکار کا کوئی مواخذہ اس سے ہرگز نہ ہوگا۔

ان آیات سے یا تو جبر فطری کی نفی ہوتی ہے یا اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ نبی کی ذمہ داری لوگوں کے کفر و ایمان سے متعلق کس حد تک ہے۔ ان سے کسی طرح یہ بات نہیں نکلتی کہ اقامت دین کی راہ میں کسی مرحلہ پر طاقت کا استعمال نہ کیا جائے یا تلوار نہ اٹھائی جائے بلکہ صرف وعظ کیے جائیں۔ اب بلاشبہ ہم کسی شخص پر اسلام قبول کرنے کے لیے تلوار نہیں اٹھائیں گے لیکن دنیا سے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اہل باطل کے ہاتھوں سے طاقت چھین کر ان کو حق کا محکوم کیا جائے۔ اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس مقصد کے لیے تلوار بھی استعمال کی جائے۔

نظامِ باطل کے جواز کے بعض دلائل اور انکا جواب

سوال:۔ میرے ارادۂ ترک ملازمت سے جب عزیزوں کو پوری آگاہی ہوگئی تو سب نے باری باری نصیحت کی کہ ملازمت مت چھوڑو، بلکہ انصاف اور ایمان داری سے اسے جاری رکھو تو کچھ حرج نہیں۔ ایک قریبی رشتہ دار نے تو یہ مشورہ دیا کہ رفاہ عام کے ایک محکمہ کی ملازمت کرنے میں تو کچھ گناہ ہے ہی نہیں، بلکہ ان کے خیال کے مطابق جماعت اسلامی بھی اسے جائز قرار دیتی ہے۔

پھر یہ کہا گیا کہ تم اگر آج سے ملازمت ترک کردو تو تم پر لامحالہ اقتصادی مشکلات ٹوٹ پڑیں گی اور کچھ تبلیغ تم سے ہو ہی نہ سکے گی، یوں بھی تم کچھ اچھے مبلغ نہیں بن سکتے، بہتر تو یہ ہے کہ ملازمت کرتے رہو اور سو پچاس روپیہ معینہ پر کسی عالم کو تبلیغ پر مقرر کردو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترک ملازمت کے بعد آبائی جائداد کو اگر شرعی اصولوں پر تقسیم کیا گیا تو اس پر موجودہ معیار کی گذران ہرگز نہ ہو سکے گی۔ نیز یہ خوف بھی دلایا گیا ہے کہ اگر زمینداری کی طرف تم متوجہ ہوئے تو پٹواریوں، تحصیلداروں اور پولیس کے افسران سے جب واسطہ پڑے گا تو معلوم ہوگا کہ ادھر ملازمت سے بھی زیادہ تلخ غلامی ہے۔ یہاں یا تو نظام باطل کے ان کارندوں کا اصول ماننا پڑے گا یا پھر ان کی دست درازیوں سے نقصان پر نقصان اٹھاؤ گے اور عدالت میں بھی چونکہ تمھیں جانا نہیں ہے لہذا کوئی داد فریاد

کی گنجائش نہیں۔ پس چپ چاپ ملازمت کرو اور ایمانداری اور دیانت سے کرو، رشوت نہ لو، نیکی اور پرہیزگاری اختیار کرو۔ یہی بہتر ہے!

پھر لوگ کہتے ہیں کہ ملازمت محض اس بھروسہ پر تم ترک کرنا چاہتے ہو کہ باپ کی بنائی ہوئی جائداد موجود ہے، حالانکہ تم جیسا طریقہ اگر تمہارے والد نے بھی اختیار کیا ہوتا تو یہ جائداد ہی نہ بنی ہوتی۔ نیز جو شخص دوسرے کی کمائی کے بل پر ایماندار رہنا چاہتا ہے اس کا اپنا کمال کیا ہوا۔ بات تو جب ہے کہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے تم خود جائز ذرائع سے کمائی کر کے دکھاؤ، پھر ہم مانیں گے کہ یہ ایمانداری ہے۔ بنی بنائی چیز پر بیٹھ کر دعوت حق دینا آسان ہے۔ اب میرا عذر یہی ہے کہ والد کے چھوڑے ہوئے مکان اور زمین کے سوا میرے پاس کوئی اور اثاثہ نہیں ہے کہ اس پر گزر کروں یا اسے کاروبار میں لگاؤں۔

وعظ و پند میں یہ کہا جاتا ہے کہ ملازمت کرتے ہوئے تو تم لٹریچر بھی خرید سکتے ہو، جماعت اسلامی کو چندہ بھی دے سکتے ہو، اور اس کے اجتماعات میں بھی شریک ہو سکتے ہو، مگر یہ ذریعہ نہ رہا تو روٹی ہی کی فکر میں ساری توجہ صرف کر دو گے۔ آدمی کے لیے مناسب یہی ہے کہ پہلے روٹی کا انتظام تسلی بخش سا کرے تو پھر دوسری باتوں کی طرف مستقل مزاجی کے ساتھ متوجہ ہو۔

میرے ناصحین میں سے یہ تو ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ملازمت سرکار کی روزی اچھی روزی نہیں، مگر اسے حرام کوئی نہیں مانتا۔ اسی وجہ سے سب کا زور اسی ایک نکتہ پر ہے کہ پہلے کوئی دوسرا روزگار فراہم کر لو تو پھر اسے چھوڑ دینا۔

گھر میں دو تین روز کی رخصت انہیں بحثوں اور نصیحتوں میں گھرے ہوئے گذاری، اب میں مرکز سے رہنمائی چاہتا ہوں، ان سارے شکوک و اعتراضات اور مشوروں پر اگر روشنی ڈالی جائے تو اچھا ہو، نیز مجھے یہ بتایا جائے کہ میں اب کیا قدم اٹھاؤں؟

جواب: آپ کے ملازمت ترک کرنے اور نہ کرنے کا سوال خود آپ ہی کے حل کرنے کا ہے۔ اس بارہ میں ہم جو کچھ کہتے ہیں یا کہہ سکتے ہیں اس کی حیثیت محض اصولی ہو گی۔ اگر وہ ساری باتیں آپ کے

پیش نظر ہیں جو اس باب میں ہم کہہ چکے ہیں اور اصولاً آپ ان کو صحیح سمجھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا خود آپ کا کام ہے کہ آپ ان پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر کر سکتے ہیں تو کس حد تک؟ البتہ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے ہوا خواہوں اور عزیزوں کے جو دلائل ملازمت کی حمایت میں نقل کیے ہیں وہ کوئی وزن نہیں رکھتے اور آپ پر بادنیٰ توجہ ان کی کمزوری خود واضح ہو سکتی ہے۔

کسی نظام باطل کے مختلف اجزا اپنے ضرر اور فساد کے اعتبار سے مختلف درجہ کے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ کسی کا ضرر کم ہوتا ہے، کسی کا زیادہ۔ لیکن ان میں سے کوئی جزو بھی ضرر اور فساد سے پاک نہیں ہو سکتا اس وجہ سے ان میں سے کسی کے ثواب یا جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ کسی نظام اجتماعی کے اجزاء پر جو حکم لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت اس مجموعی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لگایا جاتا ہے جو اس نظام اجتماعی سے پورا ہو رہا ہے یا جس کو پورا کرنا اس کے پیش نظر ہے، نہ کہ اس کے کسی ایک جزو کو سامنے رکھ کر۔ عیسائی مشنری اپنے مشن کی توسیع کے لیے بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو بظاہر نہ صرف نہایت جائز بلکہ نیکی اور خدمت خلق کے کام ہوتے ہیں۔ مثلاً شفاخانوں اور تعلیمی اداروں کا قیام۔ لیکن ان ساری چیزوں سے ان کا مقصود محض خلق کو اس ضلالت کے قریب لانا ہوتا ہے جس کے وہ داعی ہوتے ہیں اس وجہ سے یہ کام اسلامی نقطۂ نظر سے نہ تو نیکی کے کام قرار دیے جا سکتے اور نہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز ہو سکتی کہ کسی نوعیت سے ان کو قوت اور مدد پہنچائے۔ دنیا کا کوئی فاسد سے فاسد نظام بھی ایسا نہیں ہو سکتا جس کے بعض اجزاء صالح یا کم از کم بے ضرر نہ ہوں لیکن ان اجزا کی وجہ سے نہ تو یہ بات جائز ہو سکتی کہ اس پورے نظام کو جائز قرار دے کر اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور نہ یہی بات جائز ہو سکتی کہ ان صالح اجزا کے حد تک اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور بقیہ سے اجتناب کیا جائے۔ ایک سادہ دل آدمی کو بظاہر اس میں کوئی ہرج نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔ اگر یہ اصول صحیح مان لیا جائے تو پھر دنیا میں کسی باطل سے باطل نظام کے خلاف بھی کوئی اجتماعی جد و جہد جاری نہیں کی جا سکتی کیونکہ بہت سے لوگ اس کے بعض اجزا کو صالح قرار دے کر اس سے چمٹے رہنے کو نہ صرف جائز بلکہ ثواب قرار دے لیں گے۔ اور اس طرح ہر باطل نظام اپنے بعض اجزائے صالحہ کی وجہ سے

اپنے جواز و استقرار کی ایک دلیل پیدا کرے گا۔ پس اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ایک نظام اجتماعی بحیثیت مجموعی کس مقصد کو پورا کر رہا ہے۔ اگر وہ خدا کی زمین میں خدا کے احکام کو نافذ کر رہا ہے تو اس کے ساتھ ہر طرح کا تعاون نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اگرچہ اس کے تحت اس کے بعض اجزاء ناقص اور فاسد بھی ہوں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی نظام خدا سے بغاوت کی بنیاد پر قائم ہو تو وہ پورا کا پورا فاسد ہے اگرچہ اس کے تحت بعض نیکی اور رفاہ عام کے کام بھی ہو رہے ہوں۔ پس موجودہ نظام طاغوت کے ساتھ وابستگی قائم رکھنے کے لیے یہ دلیل کچھ وزنی نہیں ہے کہ آپ اس کے جس شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ صالح ہے۔ اگر مفسدین فی الارض کی کوئی فوج زمین میں خونریزی اور فساد کے لیے اٹھے اور وہ کچھ لوگوں کو اس لیے بھرتی کرے کہ یہ لوگ وقت پر اذان اور نماز کا اہتمام کریں تو گو نماز اور اذان نیکی اور تقویٰ کے کام ہیں لیکن جو لوگ اس کے لیے اپنی خدمات پیش کریں گے وہ بھی مفسدین کے حکم میں داخل ہوں گے اور ان کی کمائی حرام کی کمائی ہوگی۔ مکہ میں قریش کا جو جاہلی نظام قائم تھا اس کے سارے شعبے نجس نہ تھے بلکہ اس کے بہت سے شعبے ایسے تھے جن کے اچھے ہونے کا قرآن نے بھی اعتراف کیا ہے مثلاً سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے کا شعبہ) رفادہ (غرباء کی اعانت کا شعبہ)۔ لیکن اس کے باوجود قرآن نے اس پورے نظام کو فاسد قرار دے کر اس کے خلاف مسلمانوں سے جہاد کا مطالبہ کیا اور کسی ایک مسلمان کو بھی اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ ان کے ساتھ وابستہ رہے۔

دوسری بات جو وہ کہتے ہیں وہ بھی کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ خدا کے دین کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ آدمی کا دل ہے نہ کہ اس کا مال۔ کسی شخص کا مال خدا کے ہاں قبول ہی نہیں ہوتا جب تک وہ خدا کی جائز کی ہوئی راہوں سے کما کر اس کی راہ میں نہ خرچ کیا جائے۔ اس وجہ سے آپ اگر مال سے خدا کے دین کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ پہلے آپ اپنی کمائی کو پاک کریں۔ جو لوگ اپنی خدمات طاغوت کا بول بالا کرنے کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں اور اس کے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کر کے ایک مبلغ اللہ کے دین کی تبلیغ کے لیے بھی نوکر رکھ دیتے ہیں وہ اپنے زعم میں ممکن ہے کوئی نیکی کا کارنامہ انجام دے رہے ہوں لیکن اللہ کے ہاں اس دینداری کی کوئی پوچھ نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں بلاشبہ زمینداری کے اندر بھی ہزار آفتیں ہیں لیکن ایسی نہیں ہیں کہ آدمی کے لیے ان سے بچنا ناممکن ہو۔ ایک شخص اس زمانہ میں ایمانداری کے ساتھ زمینداری کا کام کرے تو اسے نقصانات اٹھانے کا اندیشہ ہے لیکن ایک خداترس انسان خدا سے بغاوت کے مقابلہ میں بہرحال ان نقصانات کو اہون سمجھے گا۔

طاغوت کی ملازمت ایمانداری کے ساتھ اور رشوت سے بچ کر کرنا ایک لغو بے معنی سی بات ہے اس کی وجہ سے ایک باطل جزء حق تو ہونے سے رہی البتہ ایک مغالطہ آپ کو اپنی "نیکی اور پرہیزگاری" کا ہو جائے گا اور اس رشوت نہ لینے اور بے ایمانی نہ کرنے کا سارا فائدہ باطل کو حاصل ہوگا نہ کہ حق کو۔

آپ اگر ملازمت صرف اس وجہ سے ترک کر رہے ہیں کہ آپ کے پاس آپ کے باپ کی چھوڑی ہوئی جائداد موجود ہے تب تو بلاشبہ یہ ترک ملازمت کوئی نیکی کا کام نہیں ہے لیکن اگر آپ ملازمت کو اس وجہ سے چھوڑ رہے ہیں کہ یہ شریعت کے خلاف ہے اور آپ کے باپ کی جائداد ہوتی یا نہ ہوتی بہرصورت اس باطل کو آپ چھوڑتے ہی تو آپ کو ان لوگوں کے طعنے سے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک غلط طعنہ کی وجہ سے نہ آپ کو باطل کے ساتھ چمٹے رہنا چاہیے نہ اپنے ایک حق سے فائدہ اٹھانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس جائداد کے ہوتے ہوئے اگر آپ ایک باطل ذریعہ معاش پر قانع رہیں تو ممکن ہے قیامت کے روز آپ سے یہی سوال ہو کہ جب تم کو ایک جائز ذریعہ معاش خدا نے دیا تھا تو تم اس کے ہوتے ہوئے ایک باطل ذریعہ معاش پر کیوں قانع رہے؟

یہ بات اصولی حیثیت سے غلط ہے کہ ہر بات سے پہلے روٹی کے مسئلہ کو طے کرنا ضروری ہے۔ روٹی کا مسئلہ انسان کی زندگی میں اہمیت ضرور رکھتا ہے لیکن اس درجہ نہیں کہ مذہب و شریعت کے سارے اصول اس کے پیچھے ڈال دیے جائیں۔ جو لوگ آپ کو اس نقطۂ نظر سے مشورہ دے رہے ہیں وہ انسان کی قدروقیمت سے مطلق واقف نہیں ہیں۔ وہ انسان کے اندر اصلی عنصر صرف پیٹ کو سمجھتے ہیں اور عقل و اخلاق اور انسانیت و مروت کے الفاظ ان کے نزدیک بے معنی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اس قدر سطحی ہیں ان کے مشوروں سے آپ کو کوئی صحیح رہنمائی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں

کو پہلے تو انسان کی قدر و قیمت سمجھائیے کہ وہ ایک مجرد حیوان نہیں ہے بلکہ وہ ایک عقلی اور اخلاقی ہستی بھی رکھتا ہے۔ ثانیاً یہ سمجھائیے کہ "فارغ ہو کر مطالعہ کرنے" سے مقدم آدمی کے لیے اس بات پر غور کرنا ہے کہ مطالعہ کے لیے یہ فراغت کہیں اکل حرام اور خدمتِ باطل کے معاوضہ میں تو حاصل نہیں کی گئی ہے اور "چندہ دینے" سے پہلے آدمی کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یہ چندہ وہ ناجائز ذریعہ آمدنی سے تو نہیں دے رہا ہے!

ظلم صغیر سے بچنے کے لیے ظلم کبیر سے استمداد

سوال: "غیر اسلامی حکومت کے ذریعہ تحصیل زکوٰۃ" کا سوال و جواب ترجمان ج ۲۹۔ ع ۳ میں پڑھ کر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ کافر حکومت کے تحت ایک قوی مسلمان ضعیف مسلمان کو ستائے تو وہ حکومت کی پناہ لے سکتا ہے یا نہیں، نیز ظالم سے بدلہ لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ ظلم کو روکنا ضروری ہے۔ بعینہ اسی طرح جو امراء غرباء کے حصہ کا مال زکوٰۃ دبائے بیٹھے ہیں، وہ بھی تو ظلم کر رہے ہیں، تو پھر اگر غیر اسلامی حکومت کے ذریعے سے اس ظلم کا دروازہ بند کیا جا سکے تو غرباء مسلمین کیوں نہ اس کی مدد طلب کریں؟ اور اس طرح سے جو زکوٰۃ ادا ہو گی وہ شرعاً کیوں ادا شمار نہ ہو؟

غیر مسلم حکومت کی اطاعت کرنا اگر حرام ہے تو ہم مسلمان جو اس کے تحت رہتے ہیں، ہم پر بالجبر اس کا حکم رواں ہے۔ اطاعت تو ہو ہی رہی ہے، پھر ظلم سے بچنے اور اپنے حقوق لینے کے لیے عوام اس حکومت کی مدد لے کر کتنے ایک زیادہ گنہگار ہو جائیں گے!

جواب: غیر اسلامی حکومت بجائے خود ایک ظلم کبیر ہے۔ اس ظلم کبیر کو کسی ظلم کبیر کے مٹانے کا ذریعہ بنانا مضحکہ انگیز بھی ہے اور ایک کھلی ہوئی حماقت بھی۔ کسی نجاست کو اگر دور کرنا ہو تو کوئی پاک چیز چاہیے۔ اگر کسی نجاست کو آپ نے نجاست ہی سے دھویا تو پاکی کیسے پیدا ہو سکتی ہے، البتہ نجاست میں کچھ اور اضافہ ہو جائے گا! ایک غیر اسلامی نظام کی مجبورانہ اطاعت کو دلیل قرار دے کر اس بات کی کوشش نہ کیجیے کہ مسلمان اس کے تحت بعض دینی احکام کو نافذ العمل دیکھ کر اسی سے مطمئن ہو جائیں، بلکہ اس غیر اسلامی نظام کو اسلامی نظام سے بدلنے کی کوشش کیجیے۔ کسی غیر اسلامی نظام کے تحت اس کے بدلنے کی کوشش کیے بغیر ایک مسلمان کے لیے جینا حرام ہے۔

مطبوعات

اسلامی عقائد۔ از جناب مولانا حکیم عبدالسلام صاحب، صدر مدرس مدرسہ حاجی علی خاں، چاندنی چوک، دہلی۔ قیمت ۱۲؎

ملنے کا پتہ:۔ کتبخانہ مسعودیہ، مدرسہ حاجی علی خاں متصل گھنٹہ گھر، چاندنی چوک، دہلی۔

اسلام نے کائنات اور زندگی کی جن اساسی اور غیبی حقیقتوں پر ایمان لانا انسان کے لیے لازم قرار دیا ہے، اس کتاب میں ان کی توضیح کی گئی ہے لیکن ایمان و نجات کے قطعی لوازم سے زاید بہت کچھ بیان کر دینے کے باوجود یہ کتاب مسلمانوں کے عقائد کے ان اختلافات پر گرفت نہیں کر سکی جن کی وجہ سے اس امت کے اعمال کا نظام تہ و بالا ہو گیا ہے۔ مثلاً ایمان و عمل کے تعلق پر، شرک فی الاطاعت کے موضوع پر، خدا کے قانونِ شفاعت و مغفرت پر بہت ہی دھندلی روشنی پڑتی ہے جس سے غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن نہیں۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ علم عقائد کی یہ کتاب قرآن کے دل پذیر اسلوب بیان اور جذبہ انگیز طرز استدلال کی پیروی نہیں کرتی، اس وجہ سے صرف انھیں لوگوں کے لیے مفید ہے جو پہلے سے اسلام سے وابستہ ہیں اور محض معلومات کے محتاج ہیں۔

اسلامی وظائف۔ از مولانا حکیم عبدالسلام صاحب، صدر مدرس مدرسہ حاجی علی خاں، چاندنی چوک، دہلی۔ قیمت درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ کتبخانہ مسعودیہ، مدرسہ حاجی علی خاں، متصل گھنٹہ گھر، دہلی۔

اس کتاب میں قرآن و حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی صلعم کے پسندیدہ وظیفے اور دعائیں اور اذکار زندگی کے مختلف مواقع شکر و استعاذہ کے لیے جمع کیے گئے ہیں۔ یہ ایک اچھی کوشش ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

بہت اچھا ہوتا اگر دعاؤں اور اذکار کے اس مجموعے میں ذکر و دعا کی حقیقت و ماہیت اور نظام دینی میں اس کا اصل مقام اور شکر و توبہ کی اصلیت پر تفصیلی بحث کر دی جاتی کہ عملی ناشکریوں کے ساتھ لسانی شکر اور دل کی غفلت کے ساتھ زبان کا ذکر اور گناہ سے نفرت کیے بغیر توبہ عبادت نہیں بلکہ ایک ورزش ہوتی ہے اور ساری دعاؤں اور وظائف کی قدر و قیمت اسی صورت میں ہے جب کہ پورا دین اختیار کر کے اس میں انھیں ٹھیک ان کی جگہ پر نصب کیا جائے۔

ان پڑھ ہندوستان ۔ از جناب فرینک سی لاباخ۔ مترجم جناب ا ج سید فخر الحسن ... بی اے

قیمت معلوم نہیں۔ ملنے کا پتہ:۔ ادارہ اشاعت اردو، حیدر آباد دکن۔

اس کتاب میں تعلیم بالغاں کی مختلف مہموں کی مساعی، دہاں ان کے نتائج کا سروے کیا گیا ہے۔ ضمناً تعلیم بالغاں کے فن اور نصابیات پر بھی بسیط تبصرہ درج ہے، نیز اس سلسلہ کے شائع شدہ لٹریچر کے متعلق بھی کافی معلومات جمع ہیں۔

ہمارے حلقہ کے لیے اس کتاب سے دلچسپی کے وجوہ موجود ہیں، یعنی اس کی فراہم کردہ معلومات سے ہم اپنے ہاں کی تعلیم بالغاں کی اسکیم پر عمل کرنے میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

شخصیت و کردار ۔ از جناب شیر محمد صاحب اختر۔ قیمت مجلد مع گرد پوش ۶/

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ اشاعت اردو، حیدر آباد، دکن۔

اس کتاب کا موضوع فرد کی نفسیات و اخلاقیات ہے اور مؤلف نے خالص افادیت کے نقطۂ نظر سے شخصیت کی تکمیل اور کردار کے نشو و ارتقا کے مسائل پر گفتگو فرمائی ہے۔ قدرتی طور پر ایک اچھا انسان بنانے کے لیے آدمی کی سوچیں بیشتر اسی قانونِ اخلاقی کی طرف لپکتی ہیں جو خدا نے بنا کے نافذ کیا ہے اور جس کی وضاحت اس کے انبیاء نے کی ہے مگر ہدایات وحی سے بے نیاز ہو کر مولف نے زندگی کا مادی تصور اختیار کیا ہے جس نے انھیں افادی اخلاقیات کے خطوط پر دھکیلا ہے اور اس وجہ سے یہ کوشش حقیقی افادیت سے محروم ہو گئی ہے۔

تاہم اصحاب ذوق "دینِ مادیت" کے "تصوف" کا ایک خاکہ دلچسپ افسانوی زبان میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مسلمان کیا کریں؟ ۔ از جناب مولانا سید نذیر الحق صاحب میرٹھی۔ قیمت ۱؍

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ دین و دنیا، نزد تھانہ گوالمنڈی، لاہور۔

۲۰ صفحے کا یہ پمفلٹ تیسری مرتبہ چھپ کے آیا ہے۔ اس میں مؤلف نے ہندوستان کی پیچ در پیچ سیاست میں الجھ کر گھبرائے ہوئے مسلمانوں کو تحریک اسلامی کی طرف دعوت دی ہے۔ انداز بیان تحریر کا نہیں، تقریر کا ہے!

محمد بن عبدالوہاب ۔ از جناب سید مسعود عالم صاحب ندوی۔ قیمت مجلد ۱۲؍

شائع کردہ دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن۔

محمد بن عبدالوہاب کی تحریک "وہابیت" کے نام سے مشہور ہو کر عام مسلمانوں کے لیے ہوا بن گئی ہے، اور اب اس ہوے کی تحقیق کرنے کے لیے بھی کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کرتا۔۔۔۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ تجدید کا یہ ایک زریں باب ہے۔ بارھویں صدی ہجری میں عروج جاہلیت کے خلاف محمد بن عبدالوہاب نے خلوص و للہیت کے ساتھ ایک کامیاب جنگ لڑی۔۔۔۔ اور از سر نو صلاح و تقویٰ کی ایک نہر بہا دکھائی۔ عوام نے اس ساری کہانی میں سے بس یہ حصہ سن پایا ہے کہ نجدیوں نے قبے گرائے تھے، مگر ان کو یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے بہت سے چلتے پھرتے قبوں کو ڈھا کر اور سانس لیتے ہوئے مزاروں کو شہید کرکے ان میں سے مردوں کو نکالا اور زندہ کر دکھایا۔

اس جہاد اقامت دین کی داستان اور اس کے قائد کے احوال کو جناب مسعود عالم صاحب ندوی نے بڑی دیدہ ریزی اور چھان بین کے بعد جدید سائنٹفک انداز سے مرتب کیا ہے اور اس سلسلہ کے آخذ پر جرح و تعدیل کا نشتر چلا کر جوہر صداقت نکال لیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سی نئی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں، اور بہت سی پرانی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

ایک تحقیقی تالیف کی فطرت میں جو "خشکی" ہونی چاہیے اسے جناب مولف کا ادبی ذوق بھی پسپا نہیں کرسکا۔ یوں بھی داستان "وہابیت" کی تھی!

کتاب پڑھنے سے پہلے قارئین ۱۳ صفحے کا غلط نامہ ذرا صبر و سکون سے پڑھیں اور پبلشر کے حق میں دعائے خیر کریں۔

حقیقت ایمان - از سید ابوالاعلیٰ مودودی، مدیر ترجمان القرآن۔ قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ:- دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ، ملے پلی جدید، حیدر آباد دکن۔

یہ کتابچہ "خطبات" مؤلفہ مولانا مودودی کے پہلے دو خطبوں پر مشتمل ہے۔

مقاصد قرآن - از جناب سید حبیب اللہ صاحب بختیاری۔ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدر آباد، دکن۔

یہ جناب مولف کا ایک پرانا مضمون ہے جو ترجمان القرآن میں حیدر آبادی دور میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ اب کسی نظرثانی کے بغیر کتابی شکل میں طبع ہوا ہے۔ نظام دین کے متعلق اچھی دینی معلومات اس سے حاصل ہو سکتی ہے۔

علماء اور اسلام - از جناب محمد مظہرالدین صاحب صدیقی۔ قیمت ۴ر

ملنے کا پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، پنجی گوڑہ، حیدر آباد، دکن۔

اس رسالے کے پہلے ایڈیشنوں پر ریویو ہو چکا ہے۔ اب تیسرا ایڈیشن پیش نظر ہے اور اس میں علماء کی مساعی پر تنقید کرنے کے بعد صحیح راہ عمل بھی پیش کر دی گئی ہے۔ یہ چیز پہلے ایڈیشنوں میں نہ تھی۔

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا کیا نقصان پہنچا - از جناب ابوالحسن صاحب ندوی۔ قیمت تین روپے۔

ملنے کا پتہ:- مکتبہ اسلام لکھنؤ

فاضل مؤلف کی یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ عرب کی جماعت اسلامی کا ظہور دنیا کی تاریکیوں میں بالکل ایک آفتاب کا طلوع تھا اور ان کا اخلاقیاتی اور خدا پرستانہ نظام حیات کتنے بڑے فیوض اپنے ساتھ لایا، پھر کیسے اس انقلابی جماعت پر انحطاط طاری ہوا اور دنیا کی امامت سے اس کے ہٹ جانے کی وجہ سے کیا کیا فسادات ابھر ابھر کے عالم انسانی کو برباد کر رہے ہیں۔ کتاب کا انداز دعوتی ہے اور اس کا مدعا مسلمان کو ان کی ذمہ داریوں پر از سر نو توجہ دلانا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس مرحوم اور ان کی دینی دعوت - الفرقان بریلی کی اشاعت خاص۔ مرتبہ: مولانا ابوالحسن صاحب ندوی۔

مولانا محمد الیاس مرحوم میواتی کے نام اور کام سے ایک حد تک

تعارف تو دینی ذوق رکھنے والے خوش ذوق طبقہ کو ہو ہی چکا ہے۔ مگر الفرقان کی اس اشاعت خاص کے مطالعہ سے بہت سی تفصیلی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ جن لوگوں کو خانقاہیت اور پیری مریدی اور تصوف کے پیرایہ میں خدمت اسلام کرنے سے دلچسپی ہو، ان کے لیے مولانا الیاس مرحوم کی سیرت اور دعوتی مساعی پر لکھی ہوئی یہ کتاب دلچسپ ہوگی۔

دلائل توحید باری تعالیٰ۔ مؤلفہ جناب عبد الرؤف خانصاحب رحمانی۔ قیمت نامعلوم۔

جناب مؤلف سے طلب کریں۔

توحید باری تعالیٰ کے پیش کرنے کے لیے قرآن کے دعوتی اسلوب کے بجائے اس میں کچھ منطقیانہ اور کچھ مناظرانہ انداز اختیار کیا گیا ہے، اس وجہ سے ہمارے نقطۂ نظر سے کتاب اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہے۔ پھر توحید کی ماہیت کو پوری طرح آشکارا کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کے عملی تقاضوں پر بحث ہوتی اور زندگی میں شرک سے جو اختلال اور توحید سے جو ہمواری پیدا ہوتی ہے، اس کی تفصیل کی جاتی۔ یہ کتاب اس امر کی شہادت نہیں دیتی کہ جناب مولف قرآن کے فلسفۂ اثبات توحید میں گہری نظر رکھتے ہیں!

حقائق الاسلام۔ مؤلفہ جناب حافظ محمد سرور صاحب کیانی۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ:۔ دفتر جماعت اسلامیہ، نزد مسجد جمعہ خان، کوہاٹ، صوبہ سرحد۔

جذبۂ خدمت اسلام و اصلاح مسلمین کے تحت لکھی ہوئی یہ کتاب ایمان و اسلام یا عقیدہ و عمل کو ایک شے قرار دیتی ہے اور عملاً اخلاق و اعمال انسانی سے انحراف کرنے والے مدعیان ایمان و اسلام کی تکفیر کرتی ہے، اور اس شے سے ہمیں اتفاق نہیں۔ مبلغ کا یہ کام نہیں کہ وہ مخاطبین کی تکفیر سے آغاز کرے، نہ ایک با اختیار جماعت کے سوا کسی کو تکفیر کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ یہ تو قضا سے تعلق رکھنے والا ایک معاملہ ہے اور اس کے تقاضے صرف ریاست اسلامی ہی پورے کر سکتی ہے۔

توافق للبقا از نسیم صدیقی۔ قیمت ۱/۔ ملنے کا پتہ:۔ ادارۂ اشاعت نشاۃ ثانیہ، چنچل گوڑہ، حیدرآباد، دکن۔

یہ چونکہ راقم الحروف ہی کا ایک مضمون ہے اور ترجمان القرآن میں شائع بھی ہو چکا ہے، اس وجہ سے اس پر رائے دینا غیر ضروری ہے۔

حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت۔ از حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔

شائع کردہ:۔ ادارۂ دعوت الحق، بیگم بازار، کوچہ گھانس منڈی، حیدرآباد، دکن۔ قیمت ۳ر

مولانا محترم سید سلیمان صاحب کا یہ مفید خطبہ مختلف رسائل میں شائع ہو چکا ہے اور اب پمفلٹ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ کی مختصر تفسیر ہے اور اس میں مسلمانوں پر تنقید کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ نمازوں میں جو کلمات روز بیسیوں مرتبہ کہے جاتے ہیں، عمل ان کی تردید کرتا ہے، یعنی صراط مستقیم سے انحراف اور مغضوب وضال قوموں کا اتباع فروغ پا چکا ہے۔ اس تنقید کے بعد یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ مسلمان:۔

"اللہ کے محکوم، اس کی شریعت کے حامل اور اس کی شہنشاہی کے نمائندے بنیں، ان کو پہلے اللہ کے قانون کو خود اپنے اوپر، اور پھر اس کے بعد دوسروں کے اوپر نافذ کرنا چاہیے"۔

مولانا نے اشارۃً اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو، بلکہ اس نظریہ کے ماننے والوں کو دو خداؤں کے مومنین قرار دیا ہے اور ایک سنجیدہ عالم دین سے یہی توقع کی جا سکتی ہے۔

ایک مجبورانہ گذارش

ملک کے مصنفین و ناشرین کتب کی خدمت میں بہت مجبور ہو کر ہم گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ تنقید و تبصرہ کے لیے ہمارے دفتر کو صرف وہ کتب اور رسائل ارسال فرمائیں جو واقعی کسی فکری کاوش اور کسی علمی تحقیقات کا نتیجہ ہوں اور کوئی ایسا اہم مدعا لے کر آئیں جس سے وقت کے علوم، وقت کی سیاست اور وقت کا ادب کوئی حقیقی فائدہ اخذ کر سکے یا کوئی گہرا اثر لے سکے۔

فکر و تحقیق کے بغیر مرتب ہو کر آجانے والی کتابوں اور دو دو چار چار ورق کے لایعنی رسالوں سے ہم تنگ آچکے ہیں۔ آئندہ ایسی چیزوں پر ہم اپنے رسالہ میں ریویو درج نہ کر سکیں گے۔

(ن، ص)

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش

حصہ اوّل

اِسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ، موجودہ حالات اور مستقبل کے امکانات پر ایک سبق آموز تبصرہ جس سے مسلمانانِ ہند کے قومی مسئلہ کا ایک نیا تصوّر پیدا ہوتا ہے۔ اِس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اسلئے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے

حصّہ دوم

اِس حصہ میں ہندستان کے موجودہ سیاسی حالات پر مفصل تبصرہ کرکے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی غفلت سے اِس وقت تک مُلک کے سیاسی تغیرات کس طرح اصولِ اسلام اور مسلمانوں کے قومی مفاد کے خلاف ہوتے رہے ہیں اور یہ کہ اگر اب مسلمان اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ اِس کی قیمت بھی اشاعت عام کے لئے بہت کم رکھی گئی ہے:۔

حصّہ سوم

مسلمانوں کی موجودہ سیاسی کشمکش کا عملی حل کیا ہے۔ اسلامی حکومت کن اُصولوں پر قائم کیجاسکتی ہے۔ ایسا اِقدام کرنے والے گروہ کو کن اُصولوں پر منظم کیا جاسکتا ہے، اور اِن اصولوں پر جس قدر اعتراضات وشبہات کئے جاسکتے ہیں، اُن کا جواب کیا ہے؟ یہ تمام باتیں اِس حصہ میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں:۔

قیمت حصہ اول ۱-۴-۰ حصہ دوم ۲-۸-۰ حصہ سوم ۲-۰-۰

محصول ڈاک علاوہ

ملنے کا پتہ — مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام جمالپور۔ پٹھانکوٹ (پنجاب)